ہولناک وبا

اشتیاق احمد

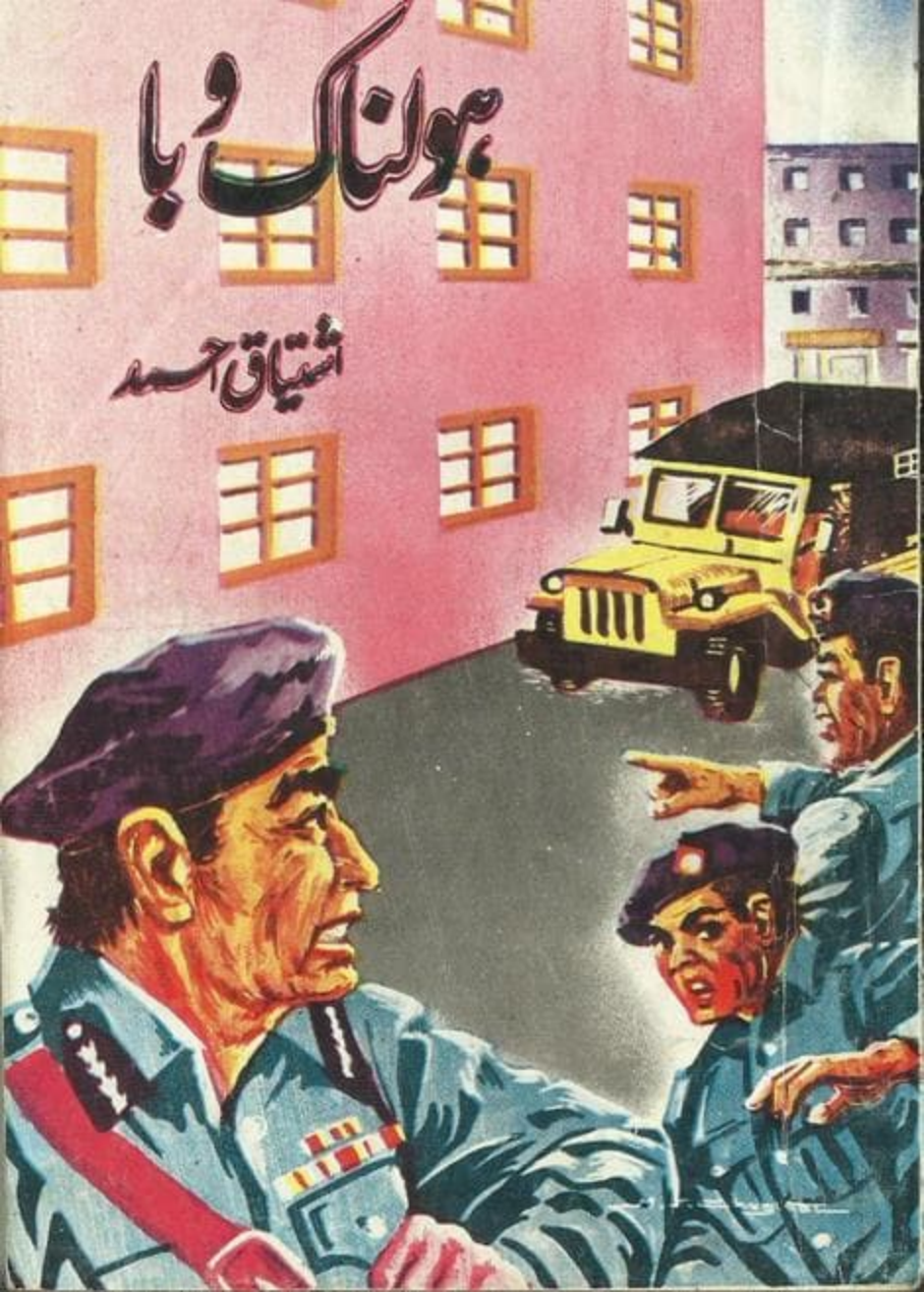

آفتاب | کامران مرزا
آصف | سیریز ۵

ہولناک وبا

اشتیاق احمد

جملہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ ہیں

بار اول : مئی ۱۹۸۱ء
مطبع : زاہد بشیر پرنٹر - لاہور
پبلشرز : مکتبہ اشتیاق - لاہور
کتابت : محمد اشفاق زاہد
قیمت : ۵/۵۰ روپے

مکتبہ اشتیاق راجپوت مارکیٹ اُردو بازار - لاہور

دو باتیں

میرے پڑھنے والے کسی بھی بچے، بڑے یا بوڑھے کو خط کا جواب ملنے میں دیر ہو جاتی ہے تو وہ فوراً دوسرے خط میں یہ دھمکی داغ دیتا ہے کہ اگر اس خط کا بھی جواب نہ ملا تو میں آپ کے ناول پڑھنا چھوڑ دوں گا۔ اب تو یہ دھمکی اتنی عام ہو چکی ہے کہ مجھے اس کے کھوکھلا ہونے میں کوئی شک نہیں رہا، خالی پیل دھمکیاں دینے کی بجائے اگر آپ چند دن انتظار کر لیا کریں تو میں آپ کے لیے زیادہ کام کر سکوں گا، کیونکہ آپ کی دھمکیوں سے جو میرا خون خشک ہوتا ہے تو اس کی خشکی کا کچھ اثر ناولوں پر بھی پڑتا ہے اور پھر آپ کہہ اٹھتے ہیں، جناب فلاں ناول آپ کا یونہی تھا.... ذرا چٹ پٹے ناول لکھیے۔ لہٰذا میں ان تمام دھمکی دینے والوں سے گزارش کرتا ہوں کہ دھمکیوں کا کچھ سٹاک بچا کر بھی رکھ لیں، اگر ختم ہو گئیں تو آپ کیا کریں گے میرا ہیں جی!

اشتیاق احمد

ترتیب

- خط کے الفاظ
- تلاشی لینے والے
- پانچ سال پہلے
- عجج
- نیا کھیل
- بیبیر ویٹ
- راز کی قیمت
- اندھیرا ہی اندھیرا

خط کے الفاظ

انسپکٹر کامران مرزا نے اس نوجوان کو حیرت بھری نظروں سے دیکھا۔ وہ ان کے دفتر میں بغیر اجازت گھس آیا تھا، شاید اس وقت چپراسی دروازے پر موجود نہیں تھا۔

"معاف کیجیے گا جناب! دروازے پر کوئی نہیں تھا، اس لیے مجھے اس طرح اندر آنا پڑا، مجھے یوں بھی جلدی ہے، اس لیے انتظار نہ کر سکا۔"

"فرمایئے! میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔" انہوں نے بُرا مانے بغیر کہا۔

"کیا آپ ہی انسپکٹر کامران مرزا ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"آپ کا خیال ٹھیک ہے۔" انہوں نے جواب دیا۔

"بہت خوب! مجھے آپ سے ہی ملنا تھا، میرا نام سالار جنگ ہے .... میں ایک بہت غریب گھرانے سے تعلق رکھتا ہوں، ایک پرائیویٹ فرم میں ملازم ہوں اور تنخواہ سے گھر کا گزارا جیسے تیسے ہو رہا ہے، آپ یہ خیال نہ فرمایئے گا کہ میں آپ سے

مالی مدد مانگنے آیا ہوں، جی نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ کچھ پولیس والے میرے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، نہ جانے وہ کیا چاہتے ہیں..... بس جب مرضی میرے گھر میں آگھستے ہیں اور اور تلاشی لینے لگتے ہیں، ساتھ میں اوٹ پٹانگ سوالات بھی کرتے ہیں، میں، میری والدہ اور بیوی حیران ہیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے، میرے دو چھوٹے بچے ہیں، لیکن خیر، انہیں یہ کیا معلوم کہ گھر میں اس طرح گھس آنے والے کون لوگ ہیں۔ بہرحال ہم کچھ روز سے بہت پریشان ہیں، ہم نے کوئی جرم نہیں کیا، لیکن محلے والے ہمیں ایسی نظروں سے گھورتے ہیں جیسے ہم سے بڑا مجرم کبھی دیکھا نہ سنا ہو..... اور ان کی ہی کیا بات ہے، خود ہمیں بھی یہی محسوس ہوتا رہتا ہے..... ایک نیک آدمی نے مجھے آپ کا نام اور پتا بتا دیا اور میں یہاں چلا آیا، کیونکہ ضرورت مند دیوانہ ہوتا ہے، وہ شخص بھی اگرچہ میرا محلہ دار ہے، لیکن بہت ہمدرد آدمی ہے۔" یہاں تک کہہ کر وہ نوجوان خاموش ہو گیا۔

انسپکٹر کامران مرزا کچھ دیر تک خاموشی سے اس کے چہرے کو دیکھتے رہے، پھر کہنے لگے:

"وہ سوالات کیا ہوتے ہیں جو وہ لوگ آپ سے یا آپ کے گھر والوں سے کرتے ہیں؟"

"بس اس قسم کے..... بتاؤ تم نے مال کہاں رکھا ہے، تم بتاؤ نہ بتاؤ، ہم تمہارے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں اور ایک دن ضرور تم ہمارے قابو میں آ جاؤ گے، اس دن تم کچھ بھی کر لینا، بچ نہیں سکو گے، تمہارے لیے بہتر یہی ہو گا کہ سب کچھ صاف صاف بتا دو..... ورنہ انجام بہت بھیانک ہو گا..... بس اس قسم کے سوالات ہوتے ہیں۔ ان سوالات کا مطلب آج تک میری سمجھ میں تو آیا نہیں..... شاید آپ کی سمجھ میں آ جائے۔"

"ہوں! آپ کس دفتر میں ملازم ہیں؟" انہوں نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

"ایک پرائیویٹ فرم ہے اس کا نام ہے پیٹر اینڈ کو، پاؤڈر بناتی ہے اور ڈبوں میں بند کر کے ڈبے بازار میں فروخت کرتی ہے۔"

"کس قسم کا پاؤڈر؟"

"عام پاؤڈر..... جس قسم کا عورتیں چہروں پر لگاتی ہیں۔"

"آپ اس دفتر میں کیا کام کرتے ہیں؟"

"میں کلرک ہوں۔"

"ڈبے لانا یا لے جانا تو آپ کے ذمے نہیں؟" انہوں نے پوچھا۔

"جی نہیں! میں صبح دفتر جاتا ہوں تو پھر شام کو واپس آتا ہوں۔ کبھی کوئی چیز لے کر گیا نہ لے کر آیا۔" اس نے بتایا۔

"خیر! اپنے گھر کا اور دفتر کا پتا بتا دیں اور ہاں، ان پولیس

افسروں کے نام یا حلیے بھی جو آپ کے گھر کی تلاشی لیتے ہیں، دوسرے یہ کہ اگر اب وہ آئیں تو ان سے اتنا ضرور پوچھ لیں کہ کیا ان کے پاس مکان کی تلاشی کا وارنٹ ہے۔"

"لیکن جناب! اس طرح تو ان کا پارہ اور چڑھ جائے گا اور وہ اور زیادہ سختی کریں گے۔"

"نہیں کریں گے، آپ کے محلے میں آس پاس کہیں فون ہے۔"

"جی ہاں!"

"اگر کوئی پریشانی ہو تو مجھے فون پر بتا دیجیے گا، میں کوشش کروں گا کہ وہ لوگ آپ کو کچھ نہ کہہ سکیں، ویسے کیا آپ مجھے یقین دلا سکتے ہیں کہ آپ کا تعلق کسی جرائم پیشہ آدمی یا گروہ سے نہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"یہ آپ نے کیا کہہ دیا جناب! بھلا مجھ جیسا غریب آدمی جرائم پیشہ ہو سکتا ہے۔"

"بعض لوگ جھوٹ موٹ کے غریب بنے ہوتے ہیں، میں آپ کو نہیں کہہ رہا ہوں، ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے۔"

"تو آپ میرے گھر کا ایک چکر لگا کر دیکھ لیجیے، آپ کو ہمارے حالات کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔"

"شاید میں ایسا کروں، بہرحال، اب میں اسی وقت کروں گا، جب پولیس والے پھر آئیں گے۔"

"بہت بہت شکریہ جناب! آپ کے بارے میں جو سنا تھا، آپ کو اس سے بڑھ کر پایا، آپ جیسے اور رحم دل لوگ کم ہی ملتے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ انسپکٹر کامران مرزا نے بغور اس کی آنکھوں میں دیکھا، یہ اندازہ لگانے کے لیے کہ وہ مکر سے کام تو نہیں لے رہا، لیکن وہ کسی صحیح نتیجے پر نہیں پہنچ سکے۔ ظاہر میں تو وہ سالار جنگ معصوم ہی نظر آ رہا تھا، لیکن ان کا تجربہ تھا کہ بہت سے معصوم نظر آنے والے بعد میں انتہائی خطرناک ثابت ہوئے۔

نوجوان نے اپنے گھر اور دفتر کا پتا لکھوا دیا اور ان کے فون نمبر نوٹ کر لیے... اس کے بعد بھی وہ بیٹھا رہا تو انہوں نے نرمی سے کہا:

"کیا آپ کچھ اور کہنا چاہتے ہیں؟"

"یہ کہ میں آپ کی مدد کے سلسلے میں کچھ خدمت نہیں کر سکوں گا؟"

"ارے بھئی میں کوئی پرائیویٹ جاسوس نہیں ہوں جو ایسے کاموں کے بدلے میں لمبی چوڑی فیسیں لیتے ہیں.... اور ہمارے ملک میں تو ویسے بھی پرائیویٹ جاسوسی کی اجازت نہیں، آپ بے فکر ہو کر جائیں، مجھ سے جو بھی ہو سکے گا، کر گزروں گا..... لیکن اگر آپ کا کسی جرم میں حصہ ہوا تو پھر میں کوئی مدد نہیں

کر سکوں گا :

" آپ فکر نہ کریں ، میرا کسی جرم سے دور کا بھی واسطہ نہیں "۔

اس نے کہا اور خدا حافظ کہتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

اس کے جانے کے فوراً بعد انہوں نے گھنٹی بجا کر چپراسی کو بلایا :

" کیوں بھئی ! ابھی تھوڑی دیر پہلے تم کہاں تھے ؟ "

" جی کہیں بھی تو نہیں ، ہاں ذرا پیشاب کرنے ضرور گیا تھا "۔

" خیر ! سب انسپکٹر فضل کو بلا لاؤ "۔

" جی بہتر ! " اس نے کہا اور کمرے سے نکل گیا ۔ تھوڑی دیر بعد سب انسپکٹر فضل نے اندر داخل ہوا :

" گڈ مارننگ سر ! "

" مارننگ ... آؤ فضل بیٹھو ، انہوں نے کہا ، پھر اس کے بیٹھنے کے بعد سالار جنگ کا نام پتا اس کے سامنے رکھتے ہوئے بولے :

" اس شخص اور اس کے گھر کی نگرانی پر دو آدمی مقرر کر دو اور جب بھی کوئی نئی بات ہو انہیں چاہیے کہ فوراً فون کر دیں "۔

" بہت بہتر ! " اس نے کہا ۔

" نمبر دو ، پیٹر اینڈ کو کی بھی نگرانی کرنی ہے .... معلوم کرنا ہے ، اس کا مالک کون ہے اور کتنے آدمی کام کرتے ہیں اور یہ بھی کہ اس فرم کے بنے ہوئے پاؤڈر کی بازار میں کیا قدر و قیمت

ہے ، کچھ مانگ ہے یا نہیں "۔

" جی بہتر .... اور کچھ ؟ "

" بس فی الحال یہی بہت ہے " ۔ انہوں نے کہا اور فضل چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد انسپکٹر کامران مرزا نے گھر فون کیا .... ادھر سے شہناز بیگم نے جواب دیا تو وہ بولے :

" آفتاب اور آصف کہاں ہیں "۔

" وہ گھر نہیں ہیں ، آفتاب کے ایک دوست کا فون موصول ہوا تھا ، اس کا فون سنتے ہی دونوں فوراً ہی چلے گئے .... کچھ بتا کر بھی نہیں گئے " ۔ انہوں نے بتایا۔

" کیا یہ بھی معلوم نہیں کہ دوست کا نام اور پتا کیا ہے "۔

" جی نہیں ، صرف اتنا معلوم ہے کہ ان کا دوست کسی مشکل میں پھنس گیا ہے "۔

" اللہ رحم کرے " ۔ ان کے منہ سے نکلا۔

انہوں نے گھڑی دیکھی اور سوچا ، گویا آفتاب اور آصف سکول سے آتے ہی گھر سے نکل گئے ۔ اس کا مطلب ہے ، ضرور کوئی خاص بات رہی ہوگی۔

○

آفتاب اور آصف کا رکشہ ایک عالی شان کوٹھی کے سامنے رک

گیا۔ دروازے میں ایک لڑکا بے تابی کے عالم میں ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا۔ رکشے کو رکتے دیکھ کر چونکا اور پھر ان کی طرف بڑھا:

"خدا کا شکر ہے کہ تم آ گئے۔"

"بھئی آخر یہ تو بتاؤ کہ ہوا کیا ہے۔ افراتفری میں فون کیا اور ایک لفظ نہیں بتایا بس اتنا کہ فوراً یہاں پہنچ جاؤ، لو فوراً پہنچ گئے، اب مہربانی فرما کر تم بھی فوراً بتاؤ، کیا معاملہ ہے۔" آفتاب قدرے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"آؤ.... اندر آؤ.... میں بہت پریشان ہوں۔"

"وہ تو خیر نظر ہی آ رہے ہو۔" آصف بولا۔

"دیکھو جبار احمد.... اگر اندر کوئی گڑبڑ ہے تو تمہارے لیے بہتر یہ ہوگا کہ گھر سے باہر ہی بتا دو، ہم اس طرح بہتر علاج سوچ سکیں گے۔" آفتاب نے اسے روکتے ہوئے کہا۔

"یار تم اچھے دوست ہو، میری جان پر بنی ہے اور تمہیں مذاق کی سوجھی ہے۔" جبار احمد نے برا مان کر کہا۔

"غلط سمجھے، میں مذاق نہیں کر رہا، بالکل سنجیدہ ہوں۔"

"آفتاب ٹھیک کہہ رہا ہے جبار۔" آصف بولا۔

"تو پھر سنو، میرے والد بہت خوف زدہ ہیں۔" اس نے کہا۔

"بہت خوف زدہ ہیں، کیا مطلب؟" دونوں چونکے۔

"اب میں خوفزدہ ہونے کا کیا مطلب بتاؤں، بس یوں سمجھ لو کہ وہ بہت ڈرے ہوئے ہیں.... خوف سے ان کا رنگ زرد پڑ گیا۔" اس نے کہا۔

"اور خوف زدہ ہونے کی وجہ کیا ہے۔" آصف نے پوچھا۔

"اگر یہ معلوم ہوتا تو تمہیں بلانے کی کیا ضرورت تھی، ہم گھر والے بھی اس کا کوئی حل تلاش کر سکتے تھے۔" جبار نے پھر منہ بنا کر کہا۔

"اوہ! تم ٹھیک کہتے ہو.... خیر چلو اندر....."

وہ اس کے ساتھ گیٹ پار کر کے روش پر پہنچے.... جبار امجد ان کا گہرا دوست اور سکول کا ساتھی تھا۔ اس کے والد امجد رؤف ایک مل کے مالک تھے۔ بہت کھاتا پیتا اور خوش حال گھرانا تھا۔ اس سے پہلے انہیں امجد کے گھر آنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اس وقت بھی جبار کو فون پر اپنا پتا انہیں سمجھانا پڑا تھا۔ روش پر سرخ بجری بچھی تھی۔ اس پر چلتے ہوئے وہ برآمدے تک پہنچ گئے۔ عین اسی وقت جبار کی عمر کی ایک لڑکی دوڑتی ہوئی آئی اور جبار سے ٹکرا گئی، کیونکہ سب سے آگے وہی چل رہا تھا۔

"عارفہ! کیا بدتمیزی ہے۔" جبار نے جھلا کر اسے پرے دھکیل دیا۔

"بھائی جان.... بھائی جان.... وہ.... وہ..... ابا جان۔"

"کیا ہوا ابا جان کو" جبار نے کہا اور برآمدے میں دوڑتا ہوا موڑ مڑ گیا۔ آفتاب اور آصف بھی اس کے پیچھے دوڑ پڑے۔ عارفہ ان کے پیچھے تھی۔

آگے پیچھے دوڑتے ہوئے وہ ایک عالی شان کمرے میں داخل ہوئے۔ انہوں نے دیکھا، بھرے بھرے جسم کا ایک آدمی پلنگ پر بے سدھ پڑا تھا۔ تپائی پر ایک کاغذ رکھا تھا، کاغذ پر کچھ الفاظ لکھے نظر آ رہے تھے۔ کمرے میں اس وقت ایک عورت، بے سدھ آدمی کی شکل صورت کا ایک اور آدمی اور ایک ملازم موجود تھے۔

"کیا ہوا امی جان انہیں" جبار نے بوکھلا کر پوچھا۔

"پتا نہیں بیٹے! ابھی ابھی بالکل ٹھیک تھے، ہوش میں تھے اور ہماری باتوں کے جواب دے رہے تھے، لیکن اپنے خوف زدہ ہونے کی وجہ نہیں بتا رہے تھے کہ کرم دین یہ خط لے کر آیا۔ اس نے خط ان کے سامنے تپائی پر رکھ دیا۔ ہم سے باتیں کرتے کرتے انہوں نے خط کھولا اور پڑھا، اس کے بعد ان کی حالت اور خراب ہو گئی اور پھر یہ بے ہوش ہو گئے۔ ہم انہیں ہلانے جلانے کی کوشش کر چکے ہیں، لیکن انہیں ہوش ہی نہیں آ رہا ہے، عارفہ نے ڈاکٹر کو فون کر دیا ہے اور اب یہ تمہیں دروازے پر سے بلانے گئی تھی" اس عورت نے کہا.... شاید جبار اور عارفہ کی امی بیگم امجد رؤف تھیں۔

"امی جان، انکل.... یہ آفتاب اور آصف ہیں، انسپکٹر کامران مرزا کے بیٹے، میرے دوست اور کلاس فیلو.... ابھی ابھی میں نے انہیں ہی فون کیا تھا"

"اوہ اچھا" کمرے میں موجود دوسرے مرد کے منہ سے نکلا۔

"آفتاب آصف.... یہ میرے چچا جان اختر رؤف ہیں.... اور یہ میری امی ہیں، یہ ملازم کرم دین ہیں.... اور یہ تو جان ہی گئے ہو گے کہ یہ ابو ہیں" جبار نے تعارف کرایا۔

"امجد بیٹے! تم نے اپنے دوستوں کو بلاوجہ میں تکلیف دی، بھلا اس سلسلے میں یہ کیا کر سکیں گے"

"لیکن انکل! یہ ڈاکٹر کا کیس بھی تو نہیں ہے، ابا جان کسی بات یا کسی شخص سے خوفزدہ ہیں اور اس قسم کے معاملے میں یہی ہمارے کام آ سکتے ہیں" جبار نے منہ بنایا۔

"تم نے اچھا کیا بیٹے انہیں بلا لیا.... کرم دین.... جبار کے دوستوں کے لیے چائے بنا لاؤ، بلکہ ہم بھی چائے پئیں گے"

"ہمارے لیے تو تکلیف نہ کریں" آصف بولا۔

"کوئی بات نہیں بھئی، اب کچھ دیر تو تمہیں یہاں رکنا ہی پڑے گا" جبار نے کہا۔

"کیا اس خط کو پڑھنے کے فوراً بعد یہ بے ہوش ہو گئے تھے؟" آفتاب نے پوچھا۔

"ہاں! خط تو ان کے ہاتھ سے بس گر گیا تھا....." بیگم امجد بولیں۔

"اگر آپ اجازت دیں تو ہم اس خط کو پڑھ کر دیکھ لیں.... ویسے کیا آپ اسے پڑھ کر دیکھ چکے ہیں۔" آفتاب نے پوچھا۔

"ہاں! پہلے ہم نے اس خط کو ہی پڑھ کر دیکھا تھا، اس میں ایسی کوئی بات نہیں جس سے خوف زدہ ہونے کا پہلو نکلتا ہو۔" بیگم امجد نے کہا۔

"خیر! ذرا ہم بھی ایک نظر اسے دیکھ لیں۔" آفتاب نے کہا اور دونوں آگے بڑھے۔ آفتاب نے خط اٹھا لیا۔ دونوں نے ایک ساتھ اسے پڑھا، لکھا تھا:

"پیارے دوست!

اس سے پہلے بھی میں تمہیں ایک خط لکھ چکا ہوں، میرا خیال تھا کہ اسے پڑھ کر تم فوراً اپنے دوست کی مدد کرو گے، لیکن ابھی تک تم نے کوئی قدم نہیں

اٹھایا، اگر اس خط کا بھی تم نے کوئی جواب نہ دیا تو میں سمجھوں گا کہ تم نے میرا خیال دل سے نکال دیا ہے اور اب تم مجھے اپنا دوست نہیں سمجھتے۔

فقط تمہارا دوست

ع۔م۔ج

تلاشی لینے والے

انسپکٹر کامران مرزا دفتر سے رخصت ہونے کی تیاری کر رہے تھے کہ فون کی گھنٹی بجی۔ انہوں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے سب انسپکٹر فضل کی آواز سنائی دی۔

"سر! ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ سالار جنگ کے گھر میں پولیس داخل ہوئی ہے۔"

"بہت خوب! تم اس وقت کہاں سے بول رہے ہو؟"

"میں پیٹر اینڈ کو کے دفتر کے سامنے ایک میڈیکل سٹور میں بیٹھا ہوں، سالار جنگ کے گھر پر مقرر آدمیوں کو میں نے یہاں کا نمبر بتا دیا تھا۔"

"ٹھیک ہے، میں وہاں پہنچ رہا ہوں، تم فکر نہ کرو۔" انہوں نے کہا اور ریسیور رکھتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ جیپ میں بیٹھ کر وہ تیزی سے سالار جنگ کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ گھر تلاش کرنے میں انہیں کوئی دقت نہ ہوئی، یوں بھی ان کے ماتحت پہلے سے موجود تھے، انہوں نے دور

سے ہی اشارے سے بتا دیا کہ کون سا مکان ہے۔ جیپ کو مکان کے سامنے روک کر وہ نیچے اترے اور دروازے پر دستک دی۔ فوراً ہی سالار جنگ کا چہرہ دکھائی دیا۔ اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔ بدن پر کپکپی طاری تھی۔ انہیں دیکھ کر وہ زور سے چونکا:

"اوہ آپ .... آپ بہت اچھے وقت پر آئے، اتفاق سے پولیس اس وقت بھی اندر موجود ہے اور تلاشی لینے میں مصروف ہے۔" اس نے کہا۔

"ہوں! ٹھیک ہے، میں ابھی ان سے بات کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ سالار جنگ کے ساتھ داخل ہو گئے۔ سالار جنگ انہیں ساتھ لے کر ایک کمرے میں داخل ہوا۔ یہاں تین پولیس کانسٹیبل اور ایک حوالدار کمرے کی چیزوں کو بے دردی سے الٹ پلٹ رہے تھے۔ قدموں کی آہٹ سن کر بھی انہوں نے ان کی طرف دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی، اپنے کام میں مصروف رہتے ہوئے حوالدار نے پوچھا:

"مسٹر سالار جنگ! دروازے پر کون تھا۔"

"میرے ایک ہمدرد، اب وہ میرے ساتھ کھڑے ہیں۔" سالار جنگ نے پرسکون لہجے میں کہا۔

اب حوالدار اور کانسٹیبلوں نے سر اوپر اٹھا کر دیکھا، لیکن انسپکٹر کامران مرزا کو دیکھ کر وہ چونکے نہیں، شاید وہ انہیں نہیں پہچانتے تھے۔

"ہمدرد.... کیا نام ہے تمہارے ہمدرد کا" حوالدار نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"مجھے کامران کہتے ہیں جناب!" انسپکٹر کامران مرزا نے جلدی سے کہا۔ "یہ آپ لوگ کیا کر رہے ہیں؟"

"ہم تمہارے دوست کے گھر کی تلاشی لے رہے ہیں، تمہاری نظر کمزور تو نہیں؟" حوالدار نے پھر کاٹ دار آواز میں کہا۔

"نہیں! نظر تو کمزور نہیں ہے، اس بات پر حیرت ضرور ہے کہ تلاشی کیوں لی جا رہی ہے۔ آخر آپ اس گھر میں کیا تلاش کر رہے ہیں۔ یہاں سے آپ کو کیا چیز ملنے کی امید ہے، میں نے سنا ہے، آپ پہلے بھی سالار جنگ کو پریشان کرنے آ چکے ہیں۔"

"اوہو، تو سالار جنگ نے اپنے ہمدرد سے ہماری شکایت لگائی ہے، تو سنو ہمدرد صاحب.... ہمارا خیال ہی نہیں، بلکہ ہمیں یقین بھی ہے کہ سالار جنگ نشہ آور دواؤں کا کاروبار کرتا ہے، یہ ایک ایسے گروہ کا کارکن ہے جو سارے ملک میں نشے اور دواؤں کا طوفان مچا رہے ہیں۔"

"اوہو اچھا" انسپکٹر کامران مرزا نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"ہاں! لہٰذا ہمیں جب بھی یہ خیال ہوتا ہے کہ اس کے گھر سے دواؤں کی کوئی کھیپ برآمد ہونے کا امکان ہے، تلاشی لینے چلے آتے ہیں۔"

"طریقہ تو آپ نے بہت اچھا اختیار کیا، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا آپ تلاشی کے وارنٹ بھی لے کر آتے ہیں؟"

"ہمیں کسی وارنٹ کی ضرورت نہیں۔" حوالدار نے منہ بنایا۔

"ضرورت کیوں نہیں، وارنٹ کے بغیر آپ تلاشی لے ہی نہیں سکتے۔" انسپکٹر کامران مرزا تیز آواز میں بولے۔

"تم سے مطلب.... تم کون ہوتے ہو ہمارے کام میں دخل دینے والے۔" حوالدار کو یک بیک غصہ آ گیا۔

"مسٹر سالار جنگ آپ کو بتا چکے ہیں کہ میں ان کا ہمدرد ہوں۔" انسپکٹر کامران مرزا بھرپور انداز میں مسکرائے۔

"لیکن ہمدرد ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ آپ قانون کے معاملے میں رکاوٹ بنیں، یاد رکھیں، میں سالار جنگ کے ساتھ ساتھ آپ کو بھی بند کر سکتا ہوں۔"

"گویا آپ کے پاس وارنٹ نہیں ہیں، آپ کا تعلق کون سے تھانے سے ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے انہیں گھورا۔ وہ چاروں پہلی مرتبہ چونکے اور حوالدار نے کہا۔

"ہم سارے شہر میں اس قسم کی تلاشی لینے کا حق رکھتے ہیں۔"

"اور رپورٹ کس تھانے کو کرتے ہیں۔" انہوں نے پوچھا۔

"پولیس ہیڈ کوارٹرز کو۔" اس نے جواب دیا۔

"اپنے نام بتا دیں اور اس آفیسر کا بھی جسے آپ رپورٹ

دیتے ہیں :

" آخر آپ ہوتے کون ہیں ، اس معاملے میں دخل دینے والے" اس نے جھلا کر پاؤں پٹخے ۔

" میں اپنا نام بتا چکا ہوں ، لیکن شاید پورا نہیں بتایا تھا ، لہٰذا سن لو کہ مجھے انسپکٹر کامران مرزا کہتے ہیں"

حوالدار اور کانسٹیبل بوکھلا اٹھے ۔ ان کے رنگ اڑ گئے ۔ پھر حوالدار نے تھر تھر کانپتی آواز میں کہا :

" آپ .... آپ .... یعنی کہ آپ "

" ہاں ! میں ۔ اب اپنے نام اور آفیسر کا نام بتائیے "

" دراصل ہمارے پاس وارنٹ موجود ہیں " حوالدار نے کہا ۔

" یہ تو اور اچھی بات ہے " انہوں نے وارنٹ دیکھتے ہوئے کہا ، " کیا آپ نے تلاشی لینے سے پہلے سالار جنگ کو خود تلاشی دی تھی "

" جی .... نہیں " وہ ہکلایا

" کیوں ! کیا یہ قانون نہیں ہے کہ تلاشی لینے والا آفیسر پہلے اپنی تلاشی دے ، کیونکہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ دشمنی کی بنا پر نشہ آور دوا یا کوئی زیور وغیرہ خود ہی چھپا کر لے آئے اور پھر اسے گھر سے برآمد کر لے "

" جی ہاں ! یہی قانون ہے ، مجھے افسوس ہے کہ میں نے

سالار جنگ کو تلاشی نہیں دی "

" جی ہاں ! یہی قانون ہے ، مجھے افسوس ہے کہ میں نے سالار جنگ کو تلاشی نہیں دی "

" تو پھر آپ اسی وقت مکان سے نکل جائیے ۔ آئندہ اگر اس گھر کی تلاشی لینے کے لیے آئیں تو پہلے سالار جنگ کو اچھی طرح تلاشی دیں اور اس کے بعد ان کے مکان کی تلاشی لیں "

" بہت بہتر جناب ! " حوالدار بولا ۔

" میں اگر چاہوں تو اس وقت آپ چاروں کو گرفتار کرا سکتا ہوں ، کیونکہ آپ خود قانون کی خلاف ورزی کرتے رہے ہیں ، لیکن یہ سوچ کر چھوڑ رہا ہوں کہ آپ قانون کے محافظ ہیں ، لوگ کیا کہیں گے ، لیکن آئندہ ایسا نہیں ہونا چاہیے "

" بہت بہتر جناب ! " .... حوالدار نے کہا

" اور یہ وارنٹ جاری کرنے والے آفیسر کا نام کیا ہے ؟ "

" اکرم غوری صاحب .... چیف آفیسر "

" اپنے نام بھی بتا دیں " انسپکٹر کامران مرزا نام نوٹ بک میں لکھتے ہوئے بولے ۔

" میرا نام طفیل ساجد ہے .... یہ سردار بخش ، مولا داد اور شمشیر خان ہیں " اس نے کہا ۔

" بہت خوب ! مہربانی فرما کر میرے ایک سوال کا جواب اور

ہیں.... سالار جنگ پر شک کرنے کی وجہ کیا ہے۔"

"وجہ تو جناب عزیزی صاحب ہی بتا سکتے ہیں۔" حوالدار نے کہا۔

"خیر! میں ان سے معلوم کر لوں گا، اب آپ لوگ جا سکتے ہیں۔"

ان کے جانے کے بعد انسپکٹر کامران مرزا نے سالار جنگ کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے، شاید شکریے کے آنسو تھے۔

"آپ بہت نیک آدمی ہیں جناب! میرے پڑوسی نے غلط نہیں کہا تھا۔"

"میں نیک تو شاید ہوں یا نہیں، سخت ضرور ہوں۔" انسپکٹر کامران مرزا سرد آواز میں بولے۔

"جی! کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

"پہلے یہ بتایئے، آپ کا منشیات کی تجارت سے کوئی تعلق ہے یا نہیں، کیا آپ واقعی کسی ایسے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جو نشہ آور دوائیں سارے ملک میں پھیلا رہا ہے؟"

"جی نہیں! میرا ایسے کسی کام سے کوئی تعلق نہیں۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"بہت خوب! پھر مجھے حیرت ہے کہ یہ لوگ کیوں بار بار گھر کی تلاشی لینے آتے ہیں، ان کے پاس کوئی ذریعہ تو ہو گا جس سے

یہ معلوم کرتے ہوں گے کہ کس آدمی کا تعلق ایسے کسی گروہ سے ہے۔"

"کیا آپ مجھ پر شک کر رہے ہیں۔" سالار جنگ نے گھبرا کر کہا اور ان کی طرف بغور دیکھنے لگا۔

"سچ بات تو یہ ہے کہ ہاں.... جس چیف آفیسر نے وارنٹ جاری کیے ہیں، اس کے پاس کوئی بنیاد ضرور ہو گی۔" وہ بولے۔

"اف خدا! آپ تو مجھے مجرم بنائے دے رہے ہیں...."

"اگر تم بے گناہ ہو تو پھر مجھے اپنے گھر کی تلاشی لینے کی اجازت دو۔"

"جی!!!" وہ دھک سے رہ گیا۔

"ہاں! کیا اس میں کوئی حرج ہے؟"

"جی.... جی نہیں۔" اس نے کہا۔

"تو پھر مجھے تلاشی لینے دو۔"

"بہتر! آپ تلاشی لے لیں۔" اس نے کسی قدر گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"گھر کے باقی افراد کہاں ہیں؟"

"وہ ساتھ والے کمرے میں ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" انہوں نے کہا اور تلاشی لینے لگے، جب سارے گھر کی تلاشی لے چکے تو سالار جنگ سے بولے:

"اب گھر کے افراد کو دوسرے کمرے میں پہنچا دیں، تاکہ میں اس کمرے کو بھی دیکھ لوں، ویسے آپ کے گھر میں اور کتنے افراد ہیں؟"

"میری والدہ، بیوی اور دو چھوٹے بچے ہیں۔"

"ٹھیک ہے، انہیں اس کمرے میں لے آئیں۔"

تھوڑی دیر بعد وہ اس کمرے کی بھی تلاشی لے رہے تھے، لیکن ایک چیز ان کے ذہن میں کھٹک رہی تھی کہ گھر کی عورتیں بھی تو کوئی چیز اپنے کپڑوں میں چھپا کر ادھر سے ادھر لیجا سکتی ہیں.... اس کمرے کی تلاش مکمل کرنے کے بعد وہ باہر آگئے اور بولے:

"پیٹر اینڈ کو.... کیا غیر ملکی کمپنی ہے؟"

"جی ہاں!" اس نے کہا۔

"یہ کتنی بڑی فرم ہے؟"

"کافی بڑی فرم ہے، تقریباً دو سو آدمی اس میں کام کرتے ہیں۔"

"اور صرف پاؤڈر بنتا ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"جی ہاں!" اس نے حیران ہو کر کہا۔ شاید وہ سوچ رہا تھا کہ آخر انسپکٹر کامران مرزا اس قسم کے سوالات کیوں پوچھ رہے ہیں۔

"خیر! میں اس معاملے کی نزاکت بھانپنے کی کوشش کروں گا کہ آخر پولیس کو آپ پر شک کیوں ہے...."

"میں آپ کا احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔" سالار جنگ

نے کہا۔

انہوں نے باہر آ کر اپنے ماتحتوں کو ہدایت کی کہ سالار جنگ کے گھر کی بدستور نگرانی کی جائے گی.... اور اگر پولیس پھر ادھر کا رخ کرے تو انہیں فوراً اطلاع دی جائے۔ ساتھ ہی انہوں نے سب انسپکٹر فضل کو فون کر کے رپورٹ طلب کی، لیکن پیٹر اینڈ کو کی نگرانی سے کوئی کام کی بات معلوم نہیں ہوئی تھی، چنانچہ انہوں نے اکرم غوری چیف آفیسر سے بات کر لینا مناسب خیال کیا۔

اکرم غوری پتلا دبلا لیکن صحت مند آدمی تھا۔ اس کی آنکھوں میں تیز چمک تھی۔ اس نے کرسی سے اٹھ کر انسپکٹر کامران مرزا کا استقبال کیا:

"میرے آدمیوں کو جو آپ نے جھاڑ پلائی ہے، اس کے لیے آپ کا شکر گزار ہوں، کم بختوں کو ہزار بار کہہ چکا ہوں کہ قانون کے تمام تقاضے پورے کیا کریں، پھر بھی لاپروائی سے کام لیتے ہیں۔"

"آپ کی فراخ دلی پر خوشی ہوئی، میں اس وقت آپ سے صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کو سالار جنگ پر شبہ کیوں ہے یا کیسے ہے؟"

"کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ بالکل معصوم ہے اور

اس کا نشہ آور دواؤں کے کاروبار سے کوئی واسطہ نہیں ہو سکتا۔"

"میرا ایسا کوئی خیال نہیں، وہ شخص میرے پاس فریاد لے کر آیا تھا، میں نے آپ کے آدمیوں کے کام میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی، ہاں قانون کے تقاضے پورے کرنے کی کوشش ضرور کی ہے۔"

"اور آپ نے بہت اچھا کیا ہے، دراصل بات یہ ہے کہ ان دنوں ہمارے ملک کے اکثر نوجوان نشہ آور دواؤں کے عادی ہوتے جا رہے ہیں اور یہ اس قدر تیزی سے ہو رہا ہے کہ یوں لگتا ہے جیسے چند سالوں میں پورا ملک نشئی ہو جائے گا۔ اوپر سے احکامات ملے ہیں کہ ہر ممکن طریق پر یہ معلوم کیا جائے کہ نشہ آور دوائیں کہاں بن رہی ہیں یا کس ملک سے اور کس راستے سے آ رہی ہیں اور کن کن ذرائع سے لوگوں میں تقسیم ہو رہی ہیں..... چنانچہ ان دنوں ہم اس طرف خاص توجہ دے رہے ہیں.... اس سلسلے میں جگہ جگہ سادہ لباس والے مقرر کر دیے گئے ہیں، یہ آج سے ایک ہفتہ پہلے کی بات ہے کہ ایک پارک میں ایک سادہ لباس والے کو ایک مشکوک آدمی نظر آیا، وہ ایک دوسرے آدمی سے گفتگو میں مصروف تھا اور سرگوشیوں میں باتیں کر رہا تھا۔

مشکوک اور دوسرا آدمی جب رخصت ہوئے تو ان کا الگ الگ تعاقب کیا گیا، کیونکہ وہ مختلف راستوں پر روانہ ہوئے تھے، مشکوک آدمی تو سادہ لباس والے کو چکر دے کر نکل گیا، لیکن دوسرے کا اس کے گھر تک کامیابی سے تعاقب کر لیا گیا.... اور وہ دوسرا آدمی سالار جنگ ہے، یہی وجہ ہے کہ کئی بار اس کے گھر پر چھاپہ مارا جا چکا ہے، لیکن ابھی یہ بات ثابت نہیں ہو سکی کہ اس شخص سالار جنگ کا اس کاروبار سے کوئی تعلق ہے یا نہیں.... دراصل ہم ابھی تک ایک بھی ایسا آدمی گرفتار نہیں کر سکے، اور یہ بات ہمارے لیے مصیبت بن گئی ہے، آفیسر چاہتے ہیں، نشہ آور دوائیں پھیلانے والا گروہ جلد از جلد گرفتار ہو جائے، لیکن اس کا سرے سے کوئی سراغ ہی نہیں مل رہا۔"

"بہت خوب! تو یہ چکر ہے، خیر آپ اپنا کام جاری رکھیے، ویسے میرا خیال ہے، اس کاروبار میں سالار جنگ کا ہاتھ بالکل نہیں ہے۔"

"ہو سکتا ہے، یہی بات ہو۔ کم از کم ابھی تک تو یہی بات ثابت ہوئی ہے۔" اکرم غوری نے کہا۔

"اچھا جناب! میں چلتا ہوں، ہو سکا تو اس گروہ کی گرفتاری میں میں آپ کی مدد کروں گا۔"

"مجھے بہت خوشی ہو گی" اکرم غوری نے کہا اور وہ اس سے ہاتھ ملا کر رخصت ہوئے۔

گھر پہنچے تو شام کے سات بج رہے تھے اور آفتاب اور آصف ابھی تک واپس نہیں آئے تھے، نہ ان کی طرف سے کوئی اطلاع موصول ہوئی تھی۔

"حیرت ہے، یہ دونوں کہاں چلے گئے" ان کے منہ سے نکلا اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

پانچ سال پہلے

فون آفتاب کا تھا، اس نے ان کی آواز سنتے ہی کہا:

"ہیلو! ابا جان یہ میں ہوں اور امجد رؤف صاحب کے گھر سے بول رہا ہوں، یہ ہمارے دوست کے والد ہیں، کیا آپ کچھ دیر کے لیے یہاں آ سکتے ہیں۔"

"کیا کوئی خاص بات ہے" وہ بولے۔

"جی ہاں! بہت خاص"

"اچھا پتا بتاؤ، میں آ رہا ہوں"

"انیس عالمگیر روڈ" آفتاب بولا۔

وہ اسی وقت جیپ میں بیٹھ کر امجد رؤف کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ آفتاب اور آصف ایک لڑکے کے ساتھ باہر کھڑے دکھائی دیے۔ جیپ روکتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"ہاں بھئی، کیا معاملہ ہے"

"یہ ہمارے دوست اور کلاس فیلو جبار ہیں۔ ان کے

والد کپڑے کی مل کے مالک ہیں، وہ کسی شخص سے حد درجے خوف زدہ ہیں، ابھی کچھ دیر پہلے بھی اس آدمی کا ایک خط ملا ہے .... خط کے الفاظ سیدھے سادھے ہیں، لیکن شاید ان میں کوئی خفیہ دھمکی چھپی ہوئی ہے، ان کی حالت کافی نازک ہے، اسی لیے ہم نے آپ کو بلایا ہے۔"

"تم نے اچھا کیا، آؤ اندر چل کر دیکھتے ہیں۔"

اندر ان کا سب سے تعارف کرایا گیا۔ امجد رؤف ابھی تک بے ہوش تھے، ڈاکٹر آچکے تھے اور انہیں ہوش میں لانے کی تدبیریں کر رہے تھے۔ انسپکٹر کامران مرزا نے خط کے الفاظ کو بغور پڑھا، یہ ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ نام کی جگہ تین حروف ع۔م۔ج بھی عجیب تھے۔ ع۔م۔ج سے تو بے شمار نام بن سکتے تھے۔

"یہ خط ڈاک سے آیا ہے یا دستی۔"

"جی .... دستی آیا ہے .... ایک لڑکا دے گیا تھا۔" ملازم کرم دین نے بتایا۔

"کیا اس سے پہلے بھی کوئی خط دستی ملا تھا، جس کے نیچے پورے نام کی بجائے یہ تین حرف تھے۔" انہوں نے پوچھا۔

"جی ہاں! اس خط کے بعد بھی ہی تو ان کی یہ حالت ہوئی تھی، یہ دو دن پہلے کا واقعہ ہے ....." بیگم امجد رؤف

نے بتایا۔

"وہ خط کہاں ہے؟"

"میں ابھی لائی، میں نے اسے سنبھال کر رکھ لیا تھا۔" بیگم امجد نے کہا اور کمرے سے نکل گئیں۔ چند لمحے بعد واپس آئیں تو خط ان کے ہاتھ میں تھا۔ انہوں نے لے کر پڑھا، لکھا تھا:

پیارے دوست!

مجھے تمہاری مدد کی سخت ضرورت ہے، تم نے اچانک میری مدد سے ہاتھ کیوں اٹھا لیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ پرانی دوستی کا خیال کرتے ہوئے مدد کرتے رہو گے، ورنہ میں سمجھوں گا کہ دنیا میں اب دوستی ناپید ہو چکی ہے۔

فقط تمہارا دوست

ع۔م۔ج

انسپکٹر کامران مرزا نے خط کو دو تین بار غور سے پڑھا اور پھر ان کی طرف بڑھا دیا۔ دونوں خط ایک ہی ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے۔ ان پر کوئی تاریخ نہیں تھی۔

"یہ دونوں خط میں اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے بیگم امجد سے کہا۔

"بہت بہتر! ضرور رکھیے۔" انہوں نے جواب دیا۔

عین اسی وقت امجد رؤف نے آنکھیں کھول دیں۔ ان کے چہرے کھل اٹھے، لیکن پھر فوراً امجد رؤف خوف زدہ انداز میں چلائے:

"وہ .... وہ خط کہاں ہے؟"

"خط یہ رہا جناب!" انسپکٹر کامران مرزا نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"آپ .... آپ کون ہیں؟" انہوں نے بوکھلا کر کہا۔

"میں انسپکٹر کامران مرزا ہوں، آپ کا بیٹا جبار میرے بچوں کا دوست ہے۔"

"اوہ .... اف میرے خدا .... کیا رات ہو چکی ہے؟"

"جی نہیں، ابھی ابھی سورج غروب ہوا ہے۔" انہوں نے کہا۔

"وہ .... وہ آج رات ضرور آئے گا .... گھر کے تمام دروازے اور کھڑکیاں اندر سے بند کر لی جائیں، پولیس کو فون کر دیا جائے۔"

"ابا جان! شاید آپ نے انکل کامران مرزا کا نام نہیں سنا، ان کے ہوتے ہوئے پولیس کو بلانے کی ضرورت نہیں۔"

"ارے! تو یہ وہ انسپکٹر کامران مرزا ہیں۔" انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

"جی ہاں! لیکن آپ یہ بھی تو بتائیں کہ کس سے خوف زدہ ہیں اور کیوں۔ ویسے آپ بے فکر رہیں، میرے یہاں ہوتے

ہوئے وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

"یہ آپ غلط کہتے ہیں، جس آدمی کے وہ پیچھے پڑ جائے، اسے اس کے ہاتھوں سے کوئی نہیں بچا سکتا۔" انہوں نے تھر تھر کانپتی آواز میں کہا۔

"آخر وہ کون ہے، آپ سے کیا چاہتا ہے؟"

"یہ ایک لمبی کہانی ہے، پہلے آپ دروازے اور کھڑکیاں اندر سے بند کرا دیں، کیونکہ دوسرا خط لکھنے کے فوراً بعد وہ اس آدمی کو ختم کرنے ضرور آتا ہے۔"

"اچھی بات ہے، اگر آپ کا اطمینان اسی طرح ہو سکتا ہے تو ابھی دروازے بند کر دیتے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ آفتاب آصف اور جبار امجد سے بولے:

"تمام دروازے اور کھڑکیاں احتیاط سے بند کر آؤ۔"

پانچ منٹ بعد وہ سب امجد رؤف کے کمرے میں تھے اور وہ انہیں اپنی کہانی سنا رہے تھے:

"یہ آج سے پانچ سال پہلے کی بات ہے، ایک لمبے قد کا آدمی میری مل کے دفتر میں آیا۔ اس نے ہمارے ہاں بننے والے کپڑے دیکھے، خاص طور پر وہ کپڑے جو دوسرے ممالک کو جاتے ہیں، اس نے بتایا کہ اس کا بھی ایک دوسرے ملک میں کپڑے کا کاروبار ہے، لہٰذا وہ ہماری مل کا کپڑا بھی

اُس ملک میں فروخت کرنا چاہتا ہے، مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ سودا طے ہو گیا، لیکن شرط اس نے یہ لگائی کہ اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریر کسی ایک تھان میں ساتھ جایا کرے گی، وجہ اس نے یہ بتائی کہ کپڑے کی درآمد اور برآمد میں بہت بڑے پیمانے پر بے ایمانی ہو رہی ہے، مجھے بھلا اس میں کیا اعتراض ہو سکتا تھا، میں نے منظور کر لیا، اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا کہ ادھر سے بدلے میں کچھ خام مال بھیجا جایا کرے گا جو مل کے پتے پر آیا کرے گا، وہ مال ہم اٹھایا کریں گے۔ میں نے ان کی یہ بات بھی منظور کر لی۔ اس روز کے بعد اس ملک میں مال جانے لگا، جب بھی مال جانے لگتا، اس کے ہاتھ کی تحریر ہمیں مل جاتی اور ہم کسی ایک تھان میں اسے رکھ دیتے، ادھر سے خام مال کی پیٹیاں آتیں جو وہ یہاں سے اٹھا لے جاتے، ہمارے تھانوں کی رقم وہ پیشگی ادا کرتا رہا۔ اس طرح اس کاروبار کو شروع ہوئے پانچ سال کا عرصہ ہو چکا ہے.... لیکن اب میں نے مال اس ملک میں بھیجنا بند کر دیا ہے اور خام مال جو بندرگاہ پر آیا پڑا ہے، اسے بھی نہیں چھڑایا.... اس کے آدمی میرے پاس آئے تو میں نے انہیں اپنے ارادوں سے باخبر کر دیا، وہ خاموشی سے چلے گئے۔ اس کے بعد اس کا فون آیا۔ فون پر اس نے مجھے

دھمکی دی کہ کاروبار کا یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہنا چاہیے، اگر میں نے ایسا نہ کیا تو نتیجہ بہت خوفناک ہو گا.... اس کا اصول یہ ہے کہ جو آدمی اس کے لیے کام کرنے سے انکار کرے، اسے پہلے وہ ایک دوستانہ خط لکھتا ہے، اس خط سے کوئی دھمکی ظاہر نہیں ہوتی، اس پر اگر دوسرا آدمی اس کی بات مان لے تو معاملہ ختم ہو جاتا ہے، ورنہ وہ اسے دوسرا خط لکھتا ہے اور اس دوسرے خط کے بعد اسی روز یا کسی وقت بھی اس آدمی کی زندگی ختم کر دی جاتی ہے۔" یہاں تک کہہ کر امجد رؤف خاموش ہو گئے۔ انسپکٹر کامران مرزا اور دوسرے حیرت زدہ انداز میں یہ کہانی سن رہے تھے۔ ان کے خاموش ہوتے ہی انسپکٹر کامران مرزا بولے:

"سوال یہ ہے کہ آپ نے کاروبار کا یہ سلسلہ بند کرنے کا فیصلہ کیوں کر لیا؟"

"مجھے شک ہوا تھا کہ کپڑوں کے تھانوں کی آڑ میں کوئی غیر قانونی کام کیا جا رہا ہے۔"

"اور یہ شک آپ کو کیسے ہوا؟" انہوں نے پوچھا۔

"خام مال کی ان پیٹیوں کے ذریعے، ابھی چند دن کی بات ہے کہ خام مال کی ایک پیٹی مزدوروں کے ہاتھ سے گر گئی اور اس کا ایک کونا ٹوٹ گیا، میں نے دیکھا، اس میں ریشم کے

دھاگوں میں سے سفید سفوف سا گر رہا تھا، میں بہت حیران ہوا کہ ریشم کے دھاگوں میں اس سفید سفوف کا کیا مطلب، میں نے سفوف کی کچھ مقدار ایک پڑیا میں رکھ لی اور اپنے دوست ڈاکٹر عارف کو وہ سفوف دکھایا، اتفاق سے اس وقت بھی ڈاکٹر صاحب یہیں موجود ہیں، انہوں نے سفوف کو دیکھتے ہی کہہ دیا کہ یہ ایک نشہ آور دوا ہے، اس کا نام ہیروئن ہے اور یہ کہ اس کا استعمال اور خرید و فروخت بالکل غیر قانونی ہے اور بہت بڑا جرم ہے، یہ سن کر میں کانپ اٹھا، فوراً اس پیٹی کی مرمت کرا دی، اس کے آدمی پیٹیاں لینے آئے تو میں نے ان سے کوئی بات نہیں کی۔ جب پیٹیاں مل سے چلی گئیں تو میں نے سکھ کا سانس لیا۔ اس کے بعد اس کے آدمی تھانوں کا آرڈر دینے آئے تو میں نے ان سے کہہ دیا کہ آجکل مل میں وہ کپڑا تیار نہیں ہو رہا، لہذا اب اور مال نہیں بھیجا جا سکتا اور نہ پیٹیاں منگوائی جائیں گی.... یہ سن کر وہ تو خاموشی سے چلے گئے، اس کے بعد ان کے باس یعنی اس لمبے آدمی نے مجھے فون کیا اور دھمکی دی کہ کاروبار اسی بنیاد پر جاری رہنا چاہیے، ورنہ نتیجہ بہت برا ہو گا، میں نے صاف انکار کر دیا۔ اس پر اس نے کہا.... اچھا تو پھر میرے پہلے خط کا انتظار کرو، پہلے خط کے بعد جب تمہیں میرا دوسرا خط ملے تو اسے اپنی موت

کا پیغام سمجھنا۔ دوسرا خط ملنے کے بعد اگر تم نے اپنا ارادہ بدلنا بھی چاہا تو بھی معافی نہیں دی جائے گی، چنانچہ دوسرا خط آگیا ہے۔" یہ کہتے ہوئے امجد رؤف کی آواز کپکپا اٹھی۔

"کیا وہ لمبا آدمی خود آپ کے پاس آتا رہا ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے پوچھا۔

"نہیں! وہ تو بس پہلی مرتبہ آیا تھا، اس کے بعد پھر کبھی نہیں آیا۔"

"آپ کو اس کا حلیہ تو یاد ہو گا۔"

"بس اتنا ہی یاد ہے کہ اس کا قد لمبا تھا، رنگ بہت کالا تھا اور چہرہ بہت چوڑا تھا۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ اس وقت میک اپ میں ہو۔"

"جی ہاں! عین ممکن ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہیروئن کے بدلے میں وہ یہاں سے کپڑے کے تھان بھیجتا رہا ہے اور ان تھانوں میں پیغام بھی بھیجتا رہا۔ ادھر سے ہیروئن منگاتا رہا اور یہاں پورے ملک میں نشے کی وبا پھیلاتا رہا، یہی وجہ ہے کہ اب اکثر نوجوان اور بوڑھے اس کے عادی ہو چکے ہیں، یوں لگتا ہے جیسے اور چند سال تک ہر طرف نشے کی عادت میں مبتلا لوگ نظر آیا کریں گے۔"

"انکل! سوال یہ ہے کہ وہ ایسا کس لیے کر رہا ہے،

کیا صرف دولت کمانے کے لیے؟" آصف بول اٹھا۔

"یہ بات بھی ہو سکتی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کسی دشمن ملک کا ایجنٹ ہو اور اس کے ملک نے یہ پروگرام بنایا ہو کہ ہماری قوم کو نشئی بنا دیا جائے تاکہ یہ غفلت کی گہری نیند سو جائے، آزاد رہنے کا جذبہ ان میں ختم ہو جائے، نشہ آدمی کو کہیں کا نہیں چھوڑتا۔"

"اگر یہ بات ہے تو پھر تو یہ بہت ہولناک وبا ہے۔" آفتاب نے کہا۔

"ہولناک وبا....." انسپکٹر کامران مرزا کے منہ سے نکلا پھر سر ہلاتے ہوئے بولے: "ہاں! تم نے اسے ٹھیک نام دیا، یہ واقعی ایک ہولناک وبا ہے، پولیس چیف بھی آج کل اسی گروہ کے پیچھے ہے، انشاء اللہ ہم بھی اب اسی کیس پر کام کریں گے اور بہت جلد اس گروہ کی جڑیں تک اکھاڑ پھینکیں گے، کیونکہ یہ ہمارے ملک اور قوم کے لیے بہت ضروری ہے۔"

"اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون شخص ہے، جو یہ سارا کام کر رہا ہے، کیا یہ وہی لمبا آدمی ہے۔" آفتاب بولا

"ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، اگر وہ لمبا آدمی اصل آدمی نہ ہوا تب بھی وہ کوئی اہم آدمی ضرور ہے اور اگر ہم اس تک پہنچ جائیں تو یہ بھی کامیابی ہو گی۔"

"بہت خوب! سوال یہ ہے کہ اب ہم کیا کریں۔" آصف نے کہا۔

"قدرت نے ہمیں ایک موقع دیا ہے اور یہ موقع خود مجرموں نے دیا کیا ہے، ظاہر ہے، وہ امجد رؤف صاحب پر وار کرنے کے لیے ضرور یہاں آئیں گے اور اس وقت ہم ان پر قابو پا لیں گے۔"

"کیا آپ کو یقین ہے کہ وہ یہاں ضرور آئے گا۔" امجد رؤف نے گھبرا کر کہا۔

"اپنے دعوے کے مطابق آنا تو چاہیے، بہر حال میں آج رات یہیں ٹھہروں گا، آفتاب اور آصف بھی یہیں رہیں گے۔"

"یہ تو آپ کی بہت ہی مہربانی ہو گی، آپ کی موجودگی میں مجھے کم خوف محسوس ہو گا۔"

"لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ آج رات ہی حملہ آور ہو، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ موقع محل دیکھ کر وار کرے۔"

"ارے باپ رے! آپ تو میری جان نکالے دے رہے ہیں۔"

"خیر! آپ فکر نہ کریں، کچھ نہ کچھ بندوبست کیا جائے گا۔" یہ کہہ کر وہ آفتاب اور آصف کی طرف مڑے:

"تم دونوں ایک کاغذ سنبھال لو اور ع۔م۔ج سے جتنے بھی نام بنتے ہوں، لکھتے چلے جاؤ۔"

"جی بھلا یہ کیا کام ہوا۔" آفتاب نے گھبرا کر کہا۔

"کیوں! کام کیوں نہیں ہوا.....ہاں اگر مشکل لگتا ہو تو بات

اور ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"جی یہ بات نہیں! میرا مطلب تھا، یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ع۔م۔ج بالکل فرضی نام ہو۔"

"فرضی ہونے سے بھی کچھ فرق نہیں پڑ جائے گا، لیکن ہمیں کوشش تو ہر ممکن کرنا پڑے گا، لہٰذا یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ ع۔م۔ج سے کون کون سے نام بنتے ہیں۔"

"جی بہت بہتر! ہم ابھی سر جوڑ کر اس کام پر لگ جاتے ہیں، بلکہ جبار اور عارفہ بہن کو بھی اس کام میں اپنے ساتھ شامل کر لیتے ہیں۔"

"ہاں! یہ اور اچھی بات ہے۔ میں ذرا چند حفاظتی انتظامات کرا دوں۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"امجد صاحب! آپ اپنے کمرے میں بالکل اکیلے رہیں گے، کوئی بھی اب آپ کے کمرے میں داخل نہیں ہو گا، میرا مطلب ہے صبح ہونے تک گھر کا بھی کوئی آدمی اندر داخل نہ ہونے پائے ..... ہم بھی باہر رہ کر آپ کی حفاظت کریں گے۔ اس غسلخانے کا دروازہ دوسرے کمرے میں تو نہیں کھلتا۔"

"جی نہیں!" امجد رؤف بولے۔

"یہ اور اچھی بات ہے۔"

جونہی وہ باہر نکلے، دروازے کی گھنٹی بجی۔ وہ چونک اٹھے،

کیونکہ یہاں کسی کے آنے کی امید نہیں تھی۔ امجد رؤف کے منہ سے حیرت زدہ لہجے میں نکلا:

"شش ..... شاید وہ آ گیا ہے۔"

انسپکٹر کامران مرزا بیرونی دروازے کی طرف لپکے۔ انہوں نے دیکھا، دروازے میں ایک غیر ملکی کھڑا تھا، آفتاب اور آصف بھی ان کے ساتھ آئے تھے۔ انہوں نے اس غیر ملکی کو دیکھ کر حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔

"فرمائیے! آپ کو کس سے ملنا ہے۔"

"مجھے انسپکٹر کامران مرزا سے ملنا ہے۔" اس نے کہا اور وہ حیران رہ گئے، کیونکہ یہ گھر ان کا تو نہیں تھا، وہ تو اس وقت امجد رؤف کے گھر میں تھے، پھر کوئی کس طرح ان سے یہاں ملنے آ گیا تھا۔

"آپ کو ان سے کیا کام ہے۔ یہاں تو امجد رؤف رہتے ہیں۔"

"ان کی بیگم نے بھی بتایا تھا کہ وہ اس گھر میں آئے ہوئے ہیں۔"

"اوہ! تو آپ پہلے ان کے گھر گئے تھے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"جی ہاں! کیا وہ یہاں نہیں ہیں۔"

"میں ہی انسپکٹر کامران مرزا ہوں، اب آپ بتائیے، آپ

کون ہیں اور مجھ سے کیوں ملنا چاہیے ہیں؟"

"اوہو تو یہ آپ ہیں.... تو سنیے، میرا نام پیٹر ہے، میں پیٹر اینڈ کو کا مالک ہوں۔"

"اوہ"! انسپکٹر کامران مرزا کے لہجے میں کسی قدر حیرت تھی۔ آفتاب اور آصف نے انہیں چونک کر دیکھا، کیونکہ ابھی تک انہیں پیٹر اینڈ کو اور سالار جنگ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔

"آپ یہاں کس لیے آئے ہیں، مجھ سے کیا کام ہے؟" انہوں نے کہا۔

"میں یہاں اس لیے آیا ہوں کہ سالار جنگ کو پولیس نے گرفتار کر لیا ہے، پولیس ابھی کچھ ہی دیر پہلے اس کے گھر کی تلاشی لینے آئی تھی، اتفاق سے میں بھی وہاں پہنچ گیا۔ اس نے مجھ سے درخواست کی کہ میں آپ کو خبر کر دوں۔"

"کیا اسے آپ کے سامنے گرفتار کیا گیا ہے؟" انہوں نے پریشان ہو کر پوچھا۔

جی ہاں! جب میں وہاں پہنچا تو پولیس اندر موجود تھی اور چیزوں کو الٹ پلٹ رہی تھی۔"

"تو کیا انہوں نے وہاں سے کوئی چیز برآمد کر لی؟"

"جی ہاں! ہیروئن کی ایک تھیلی اس کے گھر میں موجود تھی۔"

"اوہو! یہ میں کیا سن رہا ہوں.... اچھا خیر.... آپ وہاں

کیا کرنے گئے تھے؟"

"میں اسی طرف سے گزرتا ہوں، اپنی فیکٹری سے آ رہا تھا کہ اس کے دروازے پر ایک پولیس کانسٹیبل کو کھڑے دیکھ کر رک گیا، جب یہ معلوم ہوا کہ اس کے گھر کی تلاشی لی جا رہی ہے تو مجھے بہت حیرت ہوئی، اس طرح مجھے اندر جانا پڑا۔"

"وہ اسے کہاں لے گئے ہیں؟"

"ہیڈ کوارٹر۔"

"بہت بہت شکریہ! مجھ سے جو بھی ہو سکا، کروں گا، آپ فکر نہ کریں۔"

"وہ بے چارہ بہت غریب ہے، میں مالی لحاظ سے اس کی ہر طرح مدد کرنے کے لیے تیار ہوں، ضمانت ہو سکتی ہو تو اس کے اخراجات میں برداشت کروں گا۔" پیٹر نے جذباتی انداز میں کہا۔

"اچھا! دیکھتے ہیں کہ کیا صورت حال ہے۔"

پیٹر تو ان سے ہاتھ ملا کر رخصت ہوا۔ آفتاب اور آصف نے انہیں سالار جنگ کے بارے میں سب کچھ بتایا اور بولے:

"اب مجھے پولیس ہیڈ کوارٹر جانا پڑے گا۔"

"لیکن ادھر امجد رؤف صاحب کو جو خطرہ ہے۔" آصف نے فکر مند ہو کر کہا۔

"تم دونوں جو یہاں موجود ہو، فون کر کے سب انسپکٹر فضل کو

بھی یہیں بلا لو، لیکن نہیں، وہ ایک جگہ نگرانی کے فرائض انجام
رہا ہے، خیر میں فون کر کے چار سادہ لباس والوں کو یہاں مقرر
دیتا ہوں، تم فکر نہ کرو۔"

"جی بہت بہتر! نہیں کریں فکر۔" آفتاب نے کہا اور انسپکٹر کا
مرزا اسے گھورتے ہوئے فون کرنے لگے۔

فارغ ہو کر جب وہ امجد رؤف کے کمرے میں داخل ہوئے
اور انہیں یہ بتایا کہ وہ تھوڑی دیر کے لیے جا رہے ہیں تو ان کا
رنگ اور سفید پڑ گیا۔

"لیکن میرا کیا بنے گا۔"

"آپ فکر نہ کریں، آفتاب اور آصف یہاں موجود ہیں، وہ کو
کم نہیں ہیں، دوسرے یہ کہ میں خود بھی بہت جلد آنے کی کوشش
کروں گا۔"

"کیا آپ کا جانا بہت ضروری ہے۔" اس نے پوچھا۔

"جی ہاں! پولیس نے ایک شخص کو گرفتار کر لیا ہے، وہ میرا
انتظار کر رہا ہوگا اور پھر اس واقعے کا تعلق بھی آپ والے کیس
سے ہی نکل آیا ہے۔"

"ارے! وہ کیسے؟" امجد رؤف چونکے۔

"واپس آ کر بتاؤں گا.... اب آپ اپنے کمرے میں بند ہو
جائیں۔" یہ کہہ کر وہ باہر نکل آئے۔ اور آفتاب اور آصف سے

بولے:

"پوری طرح چوکس رہنا، سادہ لباس والے بھی اندر نہیں آئیں گے،
دروازے پر ہی رہیں گے، ہاں اگر ضرورت پڑ جائے تو انہیں
اندر بلایا جا سکتا ہے۔"

"سوال یہ ہے ابا جان کہ ہم ایک ہی وقت میں دو دو کام
کس طرح کر سکتے ہیں۔" آفتاب بولا۔

"بھئی دو دو کونسے؟" وہ جھلا اٹھے۔

"جی ایک تو یہ کہ ع۔م۔ج سے کون کون سے نام بنتے
ہیں اور دوسرے یہ کہ پورے گھر کی نگرانی۔"

"اچھا، فی الحال تم ع۔م۔ج کو چھوڑ دو اور نگرانی پوری طرح
کرتے رہو۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"بہت بہت شکریہ ابا جان!"

"لیکن انکل، یہ ع۔م۔ج والا کام تو ہم نگرانی کرتے
ہوئے بھی کر سکتے ہیں، سوچنا ہی تو ہے.... جب بھی کوئی
نام ذہن میں آئے گا، لکھ لیں گے۔"

"بہت خوب! تم بہت عقل مند اور چست ہو، آفتاب
تو روز بروز سست ہوتا جا رہا ہے۔" یہ کہتے ہوئے وہ گھر
سے نکل کھڑے ہوئے اور آفتاب آصف کو گھورتا ہی رہ گیا۔

○

انسپکٹر کامران مرزا پولیس ہیڈ کوارٹرز پہنچے، پولیس چیف انہیں اپنے کمرے میں موجود ملا۔ اس کا نام تہور آغا تھا۔ انہیں دیکھ کر مسکرا دیا اور بولا۔

"میں جانتا تھا، آپ ضرور آئیں گے۔"

"ہاں مجھے حیرت ہے، اتنی جلدی سالار جنگ کی دوبارہ تلاشی لی گئی اور ہیروئن کی ایک تھیلی برآمد بھی کر لی گئی۔"

"جی ہاں! اور اس مرتبہ تلاشی لینے والوں نے باقاعدہ پہلے اپنی تلاشی دی۔"

"بہت خوب! اس کا مطلب ہے، سالار جنگ واقعی نشہ آور دوائیں پھیلانے والے کسی گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔"

"جی ہاں! اب یہ بات ثابت ہو گئی ہے اور اب ہم اس سے گروہ کے اور لوگوں کے نام بھی اگلوائیں گے۔"

"جی ہاں .... یہ تو کرنا ہی ہو گا، میں ذرا اس سے ملنا چاہتا ہوں، آخر اس نے مجھے کیوں دھوکا دیا۔"

"میں نے خود اسے سخت سست کہا تھا کہ اسے ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی جب کہ وہ یہ کاروبار کرتا ہے .... ٹھہریے میں ایک کانسٹیبل کو آپ کے ساتھ بھیجتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے

گھنٹی بجائی۔

تھوڑی دیر بعد سالار جنگ ایک علیحدہ کمرے میں انسپکٹر کامران مرزا کے سامنے موجود تھا۔ چند سیکنڈ تک دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے، سالار جنگ کی آنکھیں سرخ تھیں۔ شاید وہ بہت دیر تک روتا رہا تھا۔

"کیوں بھئی! یہ سب کیا ہے؟"

"میں بالکل بے گناہ ہوں۔"

"کیا اس بار تم نے کانسٹیبلوں کی تلاشی لی تھی؟" انہوں نے پوچھا۔

"جی ہاں! میں نے ان کی تلاشی لی تھی۔"

"اور ان کی جیبوں سے کچھ نہیں نکلا تھا۔"

"جی نہیں! کم از کم ان کے پاس وہ تھیلی نہیں تھی جو بعد میں انہوں نے برآمد کی۔" اس نے کہا۔

"پولیس کے آنے سے پہلے کیا کوئی اور بھی تم سے ملنے آیا تھا؟"

"جی نہیں! بس پولیس کی موجودگی میں پیٹر صاحب آئے تھے، وہ بھی اس لیے کہ انہوں نے دروازے پر ایک کانسٹیبل کو کھڑے دیکھ لیا تھا۔"

"مسٹر پیٹر کیا پہلے بھی کبھی تمہارے گھر آ چکے ہیں۔"

"جی ہاں! کئی بار وہ گزرتے ہوئے رک جاتے ہیں، بہت ہمدرد آدمی ہیں، جب بھی ملتے ہیں، یہ ضرور پوچھتے ہیں کہ مجھے کسی چیز کی ضرورت تو نہیں، کوئی تکلیف تو نہیں، میں نے ان سے درخواست کی کہ میری گرفتاری کی خبر آپ تک پہنچا دیں۔"

"اور انہوں نے ایسا کیا، اب میں ایک بار پھر تم سے پوچھتا ہوں، کیا تمہارا منشیات کی تجارت سے کوئی تعلق ہے؟"

"بالکل نہیں!"

"اچھی بات ہے، کیا تم کسی ع۔م۔ج نامی آدمی سے واقف ہو؟"

"ع۔م۔ج؟" سالار جنگ کے منہ سے حیرت زدہ لہجے میں نکلا۔

"ہاں!" انہوں نے کہا۔

"جی نہیں، میں نے یہ نام زندگی میں پہلی مرتبہ سنا ہے۔"

وہ اس کمرے سے نکل کر ایک بار پھر پولیس چیف کے کمرے میں آئے اور بولے:

"میں نے سالار جنگ سے سوالات کیے ہیں اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ کسی نے اسے پھنسانے کی کوشش کی ہے اور وہ بالکل بے گناہ ہے۔"

"لیکن میں ایسا نہیں سمجھتا.... ایسے مجرم بہت بھولے

بھالے نظر آتے ہیں!" تہور آغا نے کہا۔

"ٹھیک ہے، لیکن جب تک یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ اس کا تعلق واقعی منشیات کی تجارت کرنے والے کسی گروہ سے ہے، اس وقت تک اس پر کوئی سختی نہ کی جائے۔"

"لیکن ہیروئن کی تھیلی اس کے گھر سے ملنے کے بعد تو یہ بات ثابت ہو جاتی ہے۔" پولیس چیف نے کہا۔

"میں تو یہی کہتا ہوں کہ کسی دوسرے نے تھیلی اس کے گھر میں رکھ دی ہے اور میں آپ کو بہت جلد بتاؤں گا کہ وہ کون تھا جس نے تھیلی اس کے گھر میں رکھی تھی، اسے آپ بڑے شوق سے گرفتار کر سکتے ہیں۔"

"میں آپ کی خواہش کا احترام کروں گا، لیکن اگر آپ یہ ثابت نہ کر سکے کہ وہ بے گناہ ہے، اس وقت اسے ہمارے ہاتھوں سے کوئی نہیں بچا سکتا۔"

"بالکل ٹھیک! میں اس وقت اس کی حمایت کروں گا بھی نہیں۔"

پولیس چیف سے رخصت ہو کر وہ سالار جنگ کے گھر پہنچے۔ دروازے پر دستک دی تو سالار جنگ کی بوڑھی والدہ نے دروازہ کھولا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں۔ دونوں بچے بھی اس کے پیچھے سے انہیں دیکھ رہے تھے، آنسو ان کی آنکھوں میں خشک ہو چکے تھے۔ شاید اندر سالار جنگ کی بیوی کا بھی یہی حال تھا۔

"میں سالار جنگ سے مل کر آ رہا ہوں، وہ بالکل ٹھیک ہے
میں نے پولیس والوں سے کہہ دیا ہے کہ وہ اسے ماریں پیٹیں
ہرگز نہیں۔ آپ لوگ اطمینان رکھیں، میں بہت جلد سالار جنگ
کو رہا کرا دوں گا اور وہاں کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بتا دیں"

"بیٹا! آپ کا یہی احسان کیا کم ہے کہ اسے مار پیٹ سے بچا لیا"
بڑھیا کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔

"خیر! تو میں ذرا اندر سے مکان کو ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں۔
آپ مجھے وہ جگہ دکھا دیں جہاں سے پولیس والوں نے تھیلی اٹھائی
تھی" انہوں نے کہا۔ بڑھیا انہیں اندر لے آئی اور ایک .... صندوق
کے پیچھے تھوڑی سی جگہ دکھاتے ہوئے بولی۔

"تھیلی انہیں یہاں سے ملی تھی"

"پیٹر صاحب پولیس والوں کے کتنی دیر بعد داخل ہوئے تھے"

"کوئی پانچ منٹ بعد" بڑھیا نے بتایا۔

"پولیس والوں نے اس جگہ کی تلاشی پیٹر صاحب کے آنے سے
پہلے لی تھی یا بعد میں"

"بعد میں، تھیلی ان کے سامنے ہی اس جگہ سے اٹھائی
گئی ہے"

"بہت خوب! آپ فکر نہ کریں، میں بہت جلد سالار جنگ کی
ضمانت کرا لوں گا" انہوں نے کہا اور ان سے رخصت ہوئے۔

ایک پبلک فون بوتھ کے قریب رک کر انہوں نے اپنے
ایک وکیل دوست کو فون کیا:

"ہیلو احسان الحق صاحب! یہ میں ہوں کامران مرزا، ایک شخص
کی فوری طور پر ضمانت کرانی ہے۔ اسے پولیس ہیڈ کوارٹر والوں نے
گرفتار کیا ہے اور ابھی تک حوالات میں رکھا گیا ہے، میں چاہتا
ہوں، جیسے بھی ہو، اس کی ضمانت ہو جائے۔ اخراجات میرے ذمے
ہوں گے، نام ....: ہاں اس کا نام سالار جنگ ہے، پولیس نے اس کے
گھر سے ہیروئن کی ایک تھیلی برآمد کی ہے، میرا خیال ہے، کسی نے
تھیلی اس کے گھر میں رکھ دی ہو گی" وہ کہتے چلے گئے۔

"اچھی بات ہے، میں ابھی جا کر اس سے ملتا ہوں اور کاغذات
وغیرہ تیار کرتا ہوں"

"بہت خوب! لیکن جہاں تک مجھے اندازہ ہے، پولیس چیف اکرم
غوری صاحب کی کوشش یہ ہو گی کہ اس کی ضمانت نہ ہونے پائے،
کیونکہ ان کے خیال میں سالار جنگ کا تعلق منشیات کی تجارت کرنے
والے کسی گروہ سے ہے اور وہ اس پر سختی کر کے گروہ کے باقی ارکان
کے نام معلوم کرنا چاہتے ہیں، اب چونکہ سالار جنگ کو کسی نے پھنسوایا
ہے، تو بھلا وہ بے چارہ کیا بتا سکے گا"

"اس صورت میں شاید اس کی ضمانت کرانے میں دشواری پیش آئے"
احسان الحق نے قدرے پریشان ہو کر کہا۔

"آپ کی صلاحیتیں کس دن کام آئیں گی۔"

"اچھا! میں دیکھتا ہوں کہ اس سلسلے میں کیا کیا جا سکتا ہے۔"

فون کا ریسیور رکھ کر وہ وہیں کھڑے چند لمحے تک کچھ سوچتے رہے پھر سب انسپکٹر فضل کے نمبر ڈائل کیے، اس نے بتایا تھا کہ وہ اس میڈیکل سٹور پر ملے گا، لیکن دوسری طرف سے بتایا گیا کہ فضل صاحب جا چکے ہیں .... ظاہر ہے، اس وقت تک پیٹر اینڈ کو بند ہو چکی ہو گی، لہذا فضل وہاں رک کر کیا کرتا، اب انہوں نے اپنے دفتر فون کیا، چوکیدار کو فضل کے کوارٹر سے اسے بلا کر لانے کے لیے کہا، لیکن فضل وہاں بھی نہ ملا تو انہیں بڑی حیرت ہوئی، آخر وہ واپس امجد رؤف کے گھر کی طرف روانہ ہوئے، لیکن وہاں بھی ان کے لیے حالات امید کے بالکل خلاف تھے، دروازے پر نظر پڑتے ہی وہ چونک اٹھے اور یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ اندر کوئی گڑبڑ ہے یا ہو چکی ہے۔ وہ تینوں سے آگے بڑھے، لیکن دروازہ تو اندر سے بند تھا .... اور باہر سادہ لباس والوں کا پتا نہیں تھا۔

عج

انسپکٹر کامران مرزا کے جانے کے تھوڑی دیر بعد ہی سادہ لباس والے آ گئے، انہوں نے اپنی آمد کی اطلاع انہیں دی اور دروازے پر جم گئے۔ آفتاب اور آصف نے دروازہ اندر سے بند کر لیا اور برآمدے میں کرسیاں ڈال کر بیٹھ گئے۔ اس وقت تک رات کا کھانا کھایا جا چکا تھا، اس لیے سب اپنے اپنے کمرہ میں جا چکے تھے۔ بیگم امجد رؤف بھی الگ کمرے میں تھیں۔ ان کے دونوں بچے جبار اور عامرہ اپنے کمرہ میں تھے۔ اب چونکہ انہیں کوئی اور کام نہیں تھا، اس لیے آصف نے کہا:

"آؤ، اب یہ دیکھ لیں کہ ع۔ م۔ ج سے کیا کیا نام بنتے ہیں۔"

"اس کے لیے کہیں آنے جانے کی کیا ضرورت ہے، ہم یہیں بیٹھ کر بھی یہ کام کر سکتے ہیں۔" آفتاب بولا۔

"منہ کی ہر بات پکڑنا اتنی اچھی بات نہیں کہ تم اسی کے پیچھے پڑے رہتے ہو۔" آصف نے جل بھن کر کہا۔

"اچھا! چلو یہ بتا دو کہ کتنی اچھی ہے.... تاکہ میں اسی حد تک اس کے پیچھے پڑا کروں۔"

"بس یار کان نہ کھاؤ اور اگر اس کام میں تم میرا ساتھ نہیں چاہتے تو میں خود ہی کر لیتا ہوں، مہربانی فرما کر خاموش بیٹھو۔"

"بہت اچھا!" آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔ "خاموش بیٹھنے کا کام میں کر لیتا ہوں اور نام جاننے کا تم کر لو، یار میں مان گیا، تم بہت انصاف پسند ہو۔"

"لاحول ولا قوۃ!" آصف بھنا گیا۔

"لو! اب مجھے شیطان بنا دیا، لیکن میں بھی وہ شیطان نہیں لاحول سے بھاگ جاؤں۔"

آصف کو غصہ آ گیا، اس کا جی چاہا، آفتاب پر جھپٹ پڑے اور اسے مزا چکھا دے، لیکن پھر یہ سوچ کر رک گیا کہ وہ اس وقت اپنے گھر میں نہیں، دوسرے کے گھر میں بیٹھے ہیں اور یہاں بھی ایک عدد سنگین معاملہ درپیش ہے، ایسے میں اس سے جھگڑنا کسی طرح بھی مناسب نہیں تھا۔ آخر اس نے ع۔م۔ج پر غور کرنا شروع کر دیا۔ سب سے پہلا نام جو اس کے ذہن میں آیا اور تھا عارف محمد جان، اس نے یہ نام کاغذ پر لکھ لیا اور کسی دوسرے پر غور کرنے لگا۔ دوسرا نام عبدالمتین جابر ذہن میں آیا، اس نے یہ بھی نوٹ کر لیا۔ تیسرا نام جو اس نے نوٹ کیا، علی محمود جبار تھا

آفتاب بیٹھا مذاق اڑانے والے انداز میں اسے دیکھتا رہا اور مسکراتا رہا۔ آصف اسی طرح جو بھی نام ذہن میں آتا گیا لکھتا چلا گیا.... لیکن بھلا اس سے کیا نتیجہ نکل سکتا تھا۔ جب تھک کر بیٹھ گیا تو آفتاب نے کہا:

"اب ایک نام میری طرف سے بھی لکھ لو۔"

"تم تو بس رہنے ہی دو۔"

"اچھا تو میں وہ نام خود ہی نوٹ کر لیتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے جیب سے کاغذ اور قلم نکالا اور لکھنے لگا، آصف کی نظریں کاغذ پر جم گئیں، آفتاب نے ایک ننھا سا نام لکھا اور وہ نام تھا عج۔ آصف کو ہنسی آ گئی۔ اسی وقت انہوں نے ایک کھٹکے کی آواز سنی۔ دونوں زور سے چونکے۔ آواز چھت کی طرف سے آئی تھی۔

"آصف! کیا امجد رؤف صاحب کا دشمن چھت پر پہنچ گیا ہے۔"

"ایسا ہی معلوم ہوتا ہے.... میں چھت میں جا کر دیکھتا ہوں، تم دروازے پر موجود سادہ لباس والوں کو خبردار کر دو۔"

"اچھا!" آفتاب نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھا۔ اس نے پھنی گرا کر سر باہر نکالا، چاروں سادہ لباس والے چوکس کھڑے تھے۔

"ہم نے چھت پر کھٹکے کی آواز سنی ہے، شاید کوئی شخص پچھلے حصے سے اوپر چڑھنے میں کامیاب ہو گیا، لہٰذا آپ لوگ اندر آ جائیں، کیونکہ اب باہر کی نسبت اندر آپ کی ضرورت زیادہ ہے۔"

وہ اندر آگئے، دروازہ ایک بار پھر اندر سے بند کر لیا گیا۔ جونہی یہ آگے بڑھے، ایک سنسنی خیز آواز سنائی دی۔

"تم سب ہماری زد پر ہو، اپنے پستول پھینک دو اور ہاتھ اوپر اٹھا دو۔" آفتاب یہ آواز سن کر دھک سے رہ گیا، آصف کے خیال نے اسے بے چین کر دیا۔ ادھر سادہ لباس والے بوکھلا گئے۔ وہ آواز کی سمت کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکے تھے اور ان کے آس پاس دائیں بائیں کوئی بھی نظر نہیں آ رہا تھا، ایسے میں وہ بھلا کیا کر سکتے تھے۔ تاہم انہوں نے اپنے پستول نہیں پھینکے، جوں کے توں کھڑے رہے:

"تم لوگوں نے سنا نہیں، شاید تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم گیدڑ بھبکی دے رہے ہیں، اچھا تو ادھر دیکھو، سامنے دیوار پر ایک فریم شدہ تصویر لگی ہے، ابھی اس تصویر پر فائر ہوگا، فائر کی آواز تم لوگ نہیں سن سکو گے اور تصویر کے پرخچے اڑ جائیں گے، اس کے بعد تم نہایت آسانی سے یہ اندازہ لگا سکتے ہو کہ ہم تمہارے ساتھ بھی تصویر والا سلوک کر سکتے ہیں۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی ایک چھناکے کی آواز سنائی دی۔ اور تصویر چکنا چور ہو کر فرش پر گری، شیشے کے ٹکڑے دور دور تک بکھر گئے۔ چاروں سادہ لباس والوں نے آفتاب کی طرف دیکھا۔

"مجبوری ہے، اب تو ہاتھ اٹھانے ہی پڑیں گے۔" آفتاب نے

کہا اور ان سے پہلے ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔ اس کے ساتھ ان چاروں کے ہاتھ بھی اوپر اٹھ گئے۔ فوراً ہی انہوں نے سیڑھیاں اترنے کی آواز سنی۔ انہوں نے دیکھا، سب سے آگے ایک نقاب پوش تھا، اس کے ہاتھ میں پستول تھا جس پر سائیلنسر فٹ تھا۔ اس کے پیچھے تین لمبے تڑنگے نوجوان اور تھے، انہوں نے بڑی بڑی مصنوعی مونچھیں لگا رکھی تھیں، تاکہ انہیں پہچانا نہ جا سکے۔

"ان کے پستول اپنے قبضے میں کر لو۔" نقاب پوش نے کہا۔ اس کا پورا جسم سیاہ کپڑوں میں چھپا ہوا تھا۔ پستول ان سے لے لیے گئے۔

"گھر میں جتنے بھی لوگ موجود ہیں، سب کے سب صحن میں آجائیں، اگر انہوں نے اس ہدایت پر عمل نہ کیا تو ہم بہت بری طرح پیش آئیں گے۔" سیاہ پوش نے بلند آواز میں کہا، لیکن کوئی بھی دروازہ کھول کر باہر نہ آیا۔

"کیا تم لوگوں نے سنا نہیں، چلو بھئی، کمروں کے دروازوں کو توڑ دو .... یہ لوگ اس طرح نہیں مانیں گے، ہم نے تو سوچا تھا کہ ہماری دشمنی صرف امجد رؤف سے ہے، لہٰذا ہم صرف ان کا کام ختم کر کے چلے جائیں گے، لیکن اگر گھر کے لوگ تعاون نہیں کریں گے تو ہم بھی ان کا کوئی لحاظ نہیں کریں گے۔"

اس کے چاروں ساتھی دروازوں پر پل پڑے۔ نقاب پوش ان پانچوں پر پستول تانے کھڑا رہا۔ آفتاب برابر آصف کے بارے میں سوچ رہا

تھا، آخر وہ کہاں چلا گیا، گیا وہ تو چھت پر ہی تھا اور یہ لوگ بھی چھت پر سے آئے ہیں.... اچانک اس نے کہا:

"دوستو! دروازے توڑنے سے جو آواز پیدا ہو گی، وہ پڑوسیوں کو خبردار کر دے گی، پولیس آجائے گی اور تم لوگ بچ نہیں سکو گے، لہٰذا تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ دروازے توڑنے کے کام سے توبہ کر لو اور ہمارے ساتھ بیٹھ کر اطمینان سے بات کرو، ذرا ہم بھی تو سنیں، تمہیں امجد رؤف سے کیا دشمنی ہے۔"

"خاموش رہو، ہمارے پاس دروازے توڑنے کے کچھ ایسے طریقے بھی ہیں جن سے بہت معمولی سی آواز پیدا ہوتی ہے، وہ بھی دروازے توڑنے کی نہیں، مشین چلنے کی آواز، بجلی کے برمے تو تم نے دیکھے ہی ہوں گے، ہم نے ان میں تبدیلی یہ کی ہے کہ برمے کی سلاخ کی جگہ ننھی سی آری لگا دی، لہٰذا یہ آری دروازے میں داخل ہو کر نیچے کی طرف سفر شروع کر دیتی ہے اور دروازہ اس طرح کٹتا چلا جاتا ہے جیسے چاقو موم کو کاٹ دیتا ہے۔ جب اتنی لکڑی کٹ جاتی ہے کہ اس میں ہاتھ ڈال کر چٹخنی گرائی جا سکے تو ہم برمے کو روک دیتے ہیں۔"

"تم تو اس طرح کہہ رہے ہو جیسے دن رات یہی کام کرتے رہتے ہو۔"

"ہاں! ہم ایسے کام کرتے ہی رہتے ہیں، ہمارے گروہ کا کوئی

آدمی جب باغی ہو جاتا ہے تو ہم اس کے ساتھ یہی حشر کرتے ہیں۔"

"لیکن امجد رؤف صاحب تمہارے گروہ میں شامل نہیں تھے، وہ تو بے خبری میں تمہارے لیے کام کرتے رہے ہیں۔"

"یہ بیان امجد رؤف کا ہے اور تم لوگ ان کے بیان پر ایمان لے آئے ہو، لیکن یہ بات نہیں ہے، شروع سے ہی یہ ہمارے گروہ میں شامل تھے، لیکن اب باغی ہو گئے ہیں اور باغیوں کو سزا دینا ہمارا بہت پرانا اصول ہے، ورنہ آئے دن لوگ باغی ہوتے رہیں اور ہمارے کام میں رکاوٹ پڑتی رہے۔"

"نہیں.... نہیں.... یہ جھوٹ ہے۔" اندر سے امجد رؤف کے چلانے کی آواز آئی۔

"بہت خوب! تو امجد رؤف اس کمرے میں ہیں.... ٹھہرو بھئی.... اب تمام دروازے توڑنے کی ضرورت نہیں رہی، صرف اس دروازے کو کھول ڈالو، نقاب پوش نے اپنے ساتھیوں سے کہا اور وہ اس پر پل پڑے۔ برما تیزی سے چلنے لگا۔ سادہ لباس والے پریشان ہو گئے۔ عین اسی وقت جب کہ ان کی مایوسی حد درجے بڑھ گئی تھی، ایک اینٹ نقاب پوش کے سر پر لگی، اس کے منہ سے دل دوز چیخ نکلی اور پستول اس کے ہاتھ سے نکل گیا اور وہ سر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے نیچے گرتا چلا گیا، آفتاب نے بلا کی پھرتی سے چھلانگ لگائی اور پستول اٹھا لیا۔ نقاب پوش کے چاروں ساتھی

بوکھلا کر مڑے:

"بس دوستو! اب یہ برما بازی رہنے دو اور ہاتھ اوپر اٹھا دو۔"

خوف زدہ انداز میں ان کے ہاتھ اوپر اٹھ گئے۔

"بہت خوب آصف! تم نے خوب ہاتھ دکھایا.... اب اوپر تمہارا کوئی کام نہیں رہا، لہذا نیچے آجاؤ۔" آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔ ..... سادہ لباس والوں نے آگے بڑھ کر ان چاروں کو پستولوں کی زد میں لے لیا اور پھر انہیں باندھا جانے لگا۔ نقاب پوش کے بھی ہاتھ پیر باندھ دیے گئے۔

"ارے بھئی آصف: تم تو شاید میری آواز نہیں سن سکے، میں نے کہا تھا، نیچے آجاؤ۔" آفتاب نے ذرا بلند آواز میں کہا۔

عین اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔

"ٹھہرو بھئی! ابھی اوپر ہی ٹھہرے رہو، پہلے ہم یہ دیکھ لیں کہ دروازے پر کون ہے، ویسے انداز تو ابا جان کا ہی ہے، تاہم یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کوئی اور بھی ان کے انداز میں گھنٹی بجانے کا عادی ہو۔" آفتاب نے کہا اور سادہ لباس والوں کو چوکس رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھا۔ نزدیک پہنچ کر اس نے کہا۔

"باہر کون ہے؟"

"آفتاب! یہ میں ہوں، اندر حالات کیا ہیں؟"

"تھوڑی دیر پہلے بہت نازک تھے، لیکن اب بالکل ٹھیک ہیں۔"

"کہیں ایسا تو نہیں کہ کوئی شخص تمہارے پیچھے پستول لیے کھڑا ہو اور یہ الفاظ تم سے کہلوا رہا ہو۔"

"جی نہیں! اگر ایسا ہوتا تو میں آپ کو خفیہ اشارہ ضرور دیتا۔"

"بہت خوب! اب مجھے اطمینان ہو گیا ہے، دروازہ کھول دو۔"

وہ اندر داخل ہوئے۔ آصف نے جلدی جلدی انہیں سارے حالات کہہ سنائے۔ پھر وہ آگے بڑھے۔ اس وقت سب کو باندھا جا چکا تھا۔ انسپکٹر کامران مرزا نے آگے بڑھ کر نقاب پوش کا نقاب نوچ لیا، دوسرا لمحہ انہیں حیران کر دینے کے لیے کافی تھا۔ ان کے سامنے پیٹر پڑا تھا۔ پیٹر اینڈ کو کا مالک، جس کی فیکٹری میں پاؤڈر بنتا تھا.... اور سالار جنگ جس کی فیکٹری میں کام کرتا تھا۔

○

"اوہو! یہ تو پیٹر ہے۔ کم از کم مجھے یہ امید ہرگز نہیں تھی کہ منشیات کی تجارت میں اس شخص کا بھی ہاتھ ہو سکتا ہے.... اور اب یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ وہی تھا جس نے سالار جنگ کے گھر میں ہیروئن کی تھیلی صندوق کے پیچھے ڈالی تھی، کیوں کہ سالار جنگ نے میرے کہنے کے مطابق پولیس کی تلاشی لی تھی۔ اس کے بعد پیٹر اس کے گھر میں داخل ہوا اور تھیلی گرا دی، چنانچہ

سالار جنگ گرفتار ہو گیا، سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ پیٹر سالار جنگ کو گرفتار کیوں کرانا چاہتا تھا.... اگر سالار جنگ اس کے گروہ سے تعلق رکھتا تھا، تب تو وہ اس کا اپنا آدمی تھا.... یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سالار جنگ اس کے گروہ سے تعلق نہ رکھتا ہو، لیکن اسے ان کا کوئی راز معلوم ہو گیا ہو، لہٰذا وہ اسے اپنے راستے سے ہٹا دینا چاہتا ہو، لیکن اس طرح گرفتار ہونے کے بعد تو اسے پیٹر کے خلاف بیان دینا چاہیے تھا، بلکہ جب وہ میرے پاس آیا تھا، اس وقت ہی اسے پیٹر کے بارے میں سب کچھ بتا دینا چاہیے تھا، معاملہ بہت الجھ گیا ہے، خیر دیکھا جائے گا، میرا خیال ہے، سب سے پہلے تو پولیس چیف اکرم غوری کو فون کرنا چاہیے، یہ کیس ان کے پاس ہے۔"

یہ کہہ کر انہوں نے پولیس کے نمبر گھمائے، لیکن ہیڈ کوارٹر سے پتا چلا کہ اکرم غوری موجود نہیں ہیں، چنانچہ انہوں نے اپنا نمبر نوٹ کرا دیا اور یہ پیغام دیا کہ جونہی وہ آئیں، انہیں ان نمبروں پر فون کرنے کے لیے کہا جائے، اب وہ سب لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے، سب لوگ ایک بار پھر امجد رؤف کے کمرے میں جمع ہو گئے، مجرموں کو بھی یہیں ایک طرف ڈال دیا گیا۔ امجد رؤف کا چہرہ بالکل سفید تھا، وہ بال بال بچے تھے۔ انسپکٹر کامران مرزا نے انہیں پیٹر کا چہرہ دکھاتے ہوئے کہا:

"کیا یہی شخص آپ سے سودے کی بات چیت کرنے آیا تھا؟"

"جی ہاں! وہ یہی تھا.... مجھے اچھی طرح یاد ہے۔"

"بہت خوب! پھر تو یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اس گروہ کا باس یہی ہے.... ارے...." ان کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا، اس کے ساتھ ہی آفتاب کو بھی آصف کا خیال آ گیا۔

"اوہو۔ میں آصف کو آواز دینا تو بھول ہی گیا، جب آپ نے گھنٹی بجائی تھی تو میں نے اسے اوپر ہی دبکے رہنے کے لیے کہہ دیا تھا۔" یہ سن کر آفتاب نے بلند آواز میں کہا:

"آصف! نیچے آ جاؤ، حالات پر ہمیں پوری کنٹرول حاصل ہو چکا ہے۔"

دوسرے ہی لمحے وہ چونک اٹھے، کیونکہ آصف کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا تھا اور نہ سیڑھیوں پر اس کے قدموں کی آواز سنائی دی تھی۔

"کہیں چھت پر کوئی گڑبڑ تو نہیں۔" یہ کہتے ہوئے انسپکٹر کامران مرزا زینے کی طرف دوڑ پڑے۔ آفتاب بھی ان کے پیچھے لپکا.... ایک سادہ لباس والے نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ وہ چھت پر پہنچے اور یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے کہ آصف چھت پر دیوار کے ساتھ بے ہوش پڑا تھا۔ اسے ہلایا

جلایا گیا، لیکن جب ہوش میں نہ آیا تو اٹھا کر نیچے لایا گیا، اب انہوں نے دیکھا، اس کے سر کے پچھلے حصے سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ گھبرا گئے، یہ معاملہ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آصف جس نے پیٹر کے سر پر اینٹ مار کر پانسہ پلٹ دیا تھا، خود کس طرح زخمی ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر کو ایک بار پھر فون کر کے بلایا گیا۔ اس نے آصف کے سر پہ پٹی باندھی، ایک انجکشن دیا، تب کہیں پندرہ منٹ بعد جا کر آصف کو ہوش آیا۔ اس نے آنکھیں کھولتے ہی حیرت زدہ انداز میں سب کو دیکھا۔

"بھئی یہ کیا ہوا، اتنا شاندار ہاتھ دکھانے کے بعد تم زخمی کس طرح ہو گئے؟" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"شاندار ہاتھ....؟" آصف نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

"ہاں اور کیا، یہ شاندار ہاتھ نہیں تھا تو اور کیا تھا؟" آفتاب نے کہا۔

"کیا وہ لوگ گرفتار ہو گئے ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"بالکل ہو گئے، وہ دیکھو، ادھر پڑے ہیں، جب تم نے پیٹر کے سر پہ اینٹ دے ماری تو یہ چکرا کر گرا تھا۔"

"پیٹر.... اینٹ.....؟" آصف کے منہ سے نکلا۔

"ہاں بھئی! پیٹر اینڈ کو کا مالک پیٹر ہی اس تجارت کی [illegible] پر ہے اور اس نے سالار جنگ کے گھر میں ہیروئن کی [illegible] رکھ دی تھی، جس کے ملنے پر سالار جنگ کو گرفتار کر لیا گیا۔" آفتاب نے بتایا۔

"اور یہ اینٹ کا کیا چکر ہے؟" آصف نے پوچھا۔

"شاید تمہارے دماغ پہ چوٹ کا اثر ہے، بھئی تم نے پیٹر کے سر پہ اینٹ دے ماری تھی، یہی وجہ ہے کہ اس وقت وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بندھا پڑا ہے، ورنہ اس وقت تک یہاں نہ جانے کیا کچھ ہو چکا ہوتا۔"

"یہ غلط ہے، میں نے مسٹر پیٹر کے سر پہ اینٹ نہیں ماری۔" آصف نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"کیا کہا.... اینٹ تم نے نہیں ماری تھی تو پھر کیا تمہارے فرشتوں نے ماری تھی؟" آفتاب نے برا سا منہ بنایا۔

"ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ جب میں چھت پہ پہنچا تو مجھے وہاں کوئی نظر نہ آیا، آگے بڑھا تو کسی نے میرے سر کے پچھلے حصے پہ کوئی وزنی چیز زور سے ماری اور میں بے ہوش ہو گیا۔ اس کے بعد مجھے ابھی ہوش آیا ہے۔"

"کیا مطلب؟" انسپکٹر کامران مرزا زور سے چونکے۔ آفتاب

بھی حیران ہو کر آصف کو دیکھنے لگا۔

"مطلب!! یہ کہ پیٹر کے سر پہ میں نے اینٹ ہرگز نہیں ماری۔"

"نہیں!!" انسپکٹر کامران مرزا کے منہ سے نکلا۔ عین اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

نیا کھیل

انسپکٹر کامران مرزا نے ریسیور اٹھاتے ہوئے کہا:

"ہیلو! کامران مرزا بول رہا ہوں.... آپ کس سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

"یہ میں ہوں اکرم غوری، آپ نے پیغام چھوڑا تھا کہ آپ کو فون کروں، میں ذرا بازار چلا گیا تھا۔" اکرم غوری کی آواز سنائی دی۔

"اوہ! بہت بہت شکریہ جناب! بات دراصل یہ ہے کہ ہم نے منشیات کی تجارت کے سلسلے میں ایک بہت اہم آدمی کو گرفتار کیا ہے، مہربانی فرما کر آپ فوراً یہاں چلیں آئیں، تاکہ مجرم کو آپ کے حوالے کیا جا سکے۔"

"بھئی بہت خوب! آپ نے تو میری مشکل ہی آسان کر دی .... میں ابھی آتا ہوں۔" دوسری طرف سے سلسلہ قطع کر دیا گیا۔

"آصف! کیا تمہیں یقین ہے کہ تم نے پیٹر کے سر پہ اینٹ نہیں دے ماری تھی۔" ریسیور رکھتے ہوئے وہ آصف کی

طرف مڑے۔

"جی ہاں! بالکل یقین ہے۔"

"تب پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ پیٹر کے سر پر اینٹ کسی اور نے ماری تھی.... آخر وہ کون تھا، اسے ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی، وہ کیوں پیٹر اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کرانا چاہتا تھا.... یہ تو معاملہ اور الجھ گیا ہے۔" انہوں نے پریشان کن لہجے میں کہا۔ اسی وقت پیٹر کے حلق سے کراہ نکل گئی، اس نے آنکھیں کھول دیں۔

"مسٹر پیٹر! آپ کے ساتھ اس مہم پر کون کون روانہ ہوا تھا۔" انسپکٹر کامران مرزا اس پر جھک پڑے۔

"میں اور میرے یہ ساتھی۔" اس نے کہا۔

"ان کے علاوہ اور تو کوئی نہیں تھا۔"

"نہیں!" اس نے جواب دیا۔

"تب پھر آپ کے سر پر اینٹ کس نے ماری۔"

"کیا مطلب... کیا اینٹ آپ میں سے کسی نے نہیں ماری۔" اس نے چونک کر کہا۔

"ہمارا خیال تو یہی تھا کہ یہ کام آصف نے دکھایا ہے، لیکن آصف تو اوپر بے ہوش پایا گیا ہے۔"

"ہاں! اسے تو خود میں نے بے ہوش کیا تھا۔" پیٹر بولا۔

"بہت خوب! تب پھر اوپر سے اینٹ مارنے والا یقیناً کوئی اور تھا، لیکن وہ کون ہو سکتا ہے، کیا آپ اندازہ لگا سکتے ہیں۔"

"نہیں!" اس کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"کیا اس گروہ کے سردار آپ ہیں۔"

"نہیں! کوئی اور ہے، لیکن اس کے بعد میں ہی سب کچھ ہوں۔" اس نے کہا۔

"تو پھر وہ کون ہے جو آپ سے بھی اوپر ہے۔"

"افسوس! میں اسے نہیں جانتا.... میں تو صرف اس کے احکامات کی تعمیل کرتا ہوں۔" اس نے بتایا۔

"یہ سلسلہ کب سے چل رہا ہے۔"

"ایک مدت سے.... اس نے ایک دن فون پر اس سلسلے میں مجھ سے بات کی تھی.... ہیروئن ریشم کے دھاگے کی پیٹیوں میں میری فیکٹری تک آتی تھی اور پھر ہم اسے پاؤڈر کے چھوٹے ڈبوں میں بند کر کے کچھ خاص خاص دکانوں پر بھیج دیا کرتے تھے، ان دکانداروں کو اس کے بارے میں پتا ہوتا تھا، وہ ان ڈبوں کو الگ رکھ لیتے تھے اور پھر خاص خاص گاہک آ کر وہ ڈبے خرید لیا کرتے تھے۔"

"بہت خوب، چکر تو بہت ہوشیاری سے چلایا گیا ہے، لیکن مصیبت یہ ہے کہ امجد رؤف صاحب کے پاس آپ خود

گئے تھے اور سارے معاملات طے کیے تھے، اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اصل باس آپ ہی ہیں اور خود کو بچانے کے لیے یہ بیان دے رہے ہیں۔"

"اگر ایسا ہے تو پھر میرے سر پہ اینٹ کس نے دے ماری؟" پیٹر نے کہا۔

"ہاں! اس سوال کا جواب فی الحال میرے پاس نہیں.... خیر دیکھا جائے گا.... کم از کم اتنا تو ہے کہ ہم نے ایک بہت اہم آدمی کو گرفتار کیا ہے اور اب بے گناہ سالار جنگ بچ جائے گا..... کیا یہ بات درست نہیں کہ سالار جنگ کو آپ نے تھیلی رکھ کر پھنسوایا ہے۔"

"ہاں! یہ درست ہے اور اس کا حکم بھی مجھے باس نے دیا تھا۔"

"بہت خوب! کیا یہ دونوں خط آپ نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر امجد رؤف صاحب کو نہیں بھیجے تھے؟" انہوں نے پوچھا۔

"ہاں! یہ میرے ہی ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔"

"تب پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ اپنے ساتھ کوئی پانچواں آدمی بھی لائے ہوں، اسے چھت پہ ہی رہنے کی ہدایت کی ہو اور خود ان ساتھیوں کے ساتھ نیچے آ گئے ہوں.... آپ نے اپنے آدمی کو یہ سمجھا دیا ہو گا کہ اگر آپ پھنس جائیں تو وہ آپ کے سر پہ کوئی وزنی چیز دے مارے، اس طرح یہ بات ثابت

ہو جائے گی کہ اصل مجرم کوئی اور ہے۔"

"جی نہیں! ایسا نہیں ہے، میں اپنے ساتھ ان کی علاوہ کسی کو نہیں لایا۔"

"اور آپ پچھلے حصے پہ کس طرح چڑھے تھے؟"

"رسی کی سیڑھی کے ذریعے۔" اس نے کہا۔

"کیا آپ نے اوپر پہنچنے کے بعد سیڑھی اوپر اٹھا لی تھی؟"

"نہیں! کیونکہ اس طرف سے کسی کے آنے کی امید نہیں تھی۔"

"ہوں! اگر آپ اس گروہ کے باس نہیں ہیں تو پھر آپ کے خیال میں کون ہے؟" انسپکٹر کامران مرزا نے سوال کیا۔

"میں نے اکثر یہ بات سوچی ہے، لیکن آج تک نہیں سمجھ سکا۔" اس نے جواب دیا۔

"اچھا! آپ نے یہ بات تسلیم کی ہے کہ دونوں خط آپ نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر امجد رؤف کو بھیجے تھے، آپ کا نام تو پیٹر ہے، پھر آپ نے لکھنے والے کی جگہ اپنا نام ع۔م۔ج کیوں لکھا؟"

"یہ اسی کا حکم تھا کہ میں جو کام بھی کروں گا، ع۔م۔ج کے نام سے کروں گا۔" اس نے کہا۔

"کیا آپ کو معلوم ہے، یہ ع۔م۔ج کون ہے یا ان حروف سے کیا نام بنتا ہے؟"

"نہیں! میں خود حیران ہوں کہ اس نے مجھے یہ نام اختیار کرنے کا حکم کیوں دیا۔"

اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔ پولیس چیف آگئے تھے جب انہیں تمام حالات بتائے گئے تو بہت حیران ہوئے۔ پیٹر اور اس کے ساتھیوں کو ان کے حوالے کر دیا گیا۔

"اب تو آپ کو یقین آگیا ہوگا کہ سالار جنگ بالکل بے گناہ ہے۔"

"لیکن سوال یہ ہے کہ وہ مشکوک آدمی سالار جنگ سے کیوں ملا تھا۔"

"پیٹر کی شروع سے کوشش یہ تھی کہ اس سلسلے میں کوئی ایک آدھ آدمی گرفتار ہو جائے۔ ایسا آدمی جس کا گروہ سے کوئی تعلق نہ ہو، چنانچہ اس کی نظر سالار جنگ پر پڑی، اس نے اپنے ایک آدمی کو اس سے ملاقات کرنے کی ہدایات دیں، کیونکہ وہ آدمی پولیس کی نظروں میں مشکوک تھا، چنانچہ وہ اس سے پارک میں ملا اور خود پولیس کو غچہ دے کر نکل گیا، لیکن سالار جنگ کو اس بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا، لہٰذا پولیس اس کا تعاقب کرتے ہوئے اس کے گھر تک پہنچ گئی۔ یہ سب میرا اندازہ ہے، ہو سکتا ہے، بات کچھ اور رہی ہو، لیکن اس پر مجھے یقین ہے کہ سالار جنگ بے گناہ ہے، کیونکہ تھیلی برآمد ہونے سے پہلے

بھی پیٹر اس کے گھر میں داخل ہوا تھا.... یہی وہ شخص تھا جس نے تھیلی اس کے صندوق کے پیچھے گرا دی تھی۔"

"بہت خوب! آپ کے اندازے بالکل درست معلوم ہوتے ہیں۔ اچھا تو میں انہیں لے چلتا ہوں، لیکن یہ الجھن ابھی باقی ہے کہ اصل باس اس گروہ کا کون ہے۔" اکرم غوری نے کہا۔

"اس کے لیے آپ پیٹر کو کرید سکتے ہیں، شاید یہ کچھ بتا سکے، اس کے علاوہ اس کی فیکٹری اور نشہ آور ادویات کے تمام ڈبے بھی آپ قبضے میں لے سکتے ہیں۔ اس طرح اس گروہ کو ایک زبردست دھکا لگے گا.... اور ہو سکتا ہے، پیٹر کی گرفتاری کے بعد یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکے۔"

"ٹھیک ہے، اب ہم اور کر بھی کیا سکتے ہیں، کیونکہ تمام حالات پر غور کرنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ باس اگر کوئی اور ہے تو وہ بہت چالاک آدمی ہے، وہ کسی بھی معاملے میں سامنے نہیں آیا..... لیکن نہیں، ایک معاملہ ایسا ہے.... اور وہ ہے رقم کی ادائیگی کا معاملہ.... آخر پیٹر اسے اس کا حصہ کس طرح دیتا ہوگا۔"

"بالکل ٹھیک! مسٹر پیٹر! کیا آپ بتائیں گے کہ آپ اس کا حصہ کس طرح ادا کرتے تھے۔"

"بنک میں جمع کرا دیا کرتا تھا...."

"کس نام سے؟"

"ع۔م۔ج کے نام سے۔" اس نے کہا۔

"کیا مطلب.... یہ نام تو آپ نے اپنا رکھا تھا۔"

"جی ہاں! لیکن بنک میں اکاؤنٹ اس نے خود ہی کھلوا رکھا تھا۔ میں اس کے اکاؤنٹ میں پیسے جمع کرا دیتا تھا اور وہ نکلوا لیتا تھا۔"

"بہت خوب! بنک کا نام بتائیں اور اکاؤنٹ کا نمبر بھی بتا دیں۔"

"چارٹرڈ بینک.... مرکزی شاخ.... اکاؤنٹ نمبر ۹۵۱۹۶۔"

"خوب! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر پیٹر خود ہی اس گروہ کے اصل باس ہیں، لیکن اس بات کو یہ چھپا رہے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"یہ غلط ہے، باس واقعی کوئی اور ہے، اتنی باتیں بغیر کسی چون چرا کے تسلیم کر لینے کے بعد مجھے کیا ضرورت ہے کہ ایک معاملے میں جھوٹ سے کام لوں۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔" پولیس چیف نے کہا اور انہیں لے کر چلا گیا۔

ان کے جانے کے بعد انسپکٹر کامران مرزا ان کی طرف مڑے:

"کیوں بھئی! تم لوگوں کا اس معاملے میں کیا خیال ہے۔"

"جس کسی نے پیٹر کے سر پہ اینٹ ماری ہے، باس وہی ہے، کیونکہ پیٹر کو کیا پڑی تھی کہ اپنے پیچھے ایک اور آدمی کو ساتھ لاتا جو اس کے سر پہ اینٹ دے مارتا۔"

"ہوں! تو پھر آؤ، ذرا چھت کا جائزہ بھی لے لیں، کیونکہ وہ جو کوئی بھی تھا، بہرحال چھت پہ ضرور آیا تھا، ہو سکتا ہے، وہ کوئی ایسا نشان چھوڑ گیا ہو۔"

وہ تینوں چھت پہ پہنچے، عامرہ اور جبار نے اپنے والد کے پاس ٹھہرنا مناسب خیال کیا۔ اب ان کے چہروں پہ پہلے کی نسبت زیادہ رونق تھی، کیونکہ خطرہ اب نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔

پوری چھت کا ٹارچ کی مدد سے جائزہ لیا گیا.... لیکن کوئی سراغ نہ ملا۔ آخر مایوس ہو کر نیچے اترے اور پھر انسپکٹر کامران مرزا کے قدم رک گئے۔ ان کی نظریں اس اینٹ پہ جم گئیں جو مجرم نے پیٹر کے سر پہ مارے تھی، پھر ان کے ہونٹ ہلے:

"آفتاب آصف! اگر مجرم دستانے پہنے ہوئے نہیں تھا تو وہ اس اینٹ پہ اپنی انگلیوں کے نشانات ضرور چھوڑ گیا ہو گا اور اگر ایسا ہو گیا تو مرزا آ جائے گا۔"

"خدا کرے مرزا آ ہی جائے، میں تو اس کا انتظار کرتے کرتے تنگ گیا ہوں۔" آفتاب نے مسمسی صورت بنا کر کہا۔

"فکر نہ کرو، اس کیس میں تمہیں ضرور مزا آئے گا۔"

"لیکن میرے خیال میں تو یہ ختم بھی ہو چکا، اب اس میں کیا رہ گیا ہے۔"

"اصل آدمی کی گرفتاری۔ آخر وہ کون تھا جس نے پیٹر کے سر پر اینٹ ماری تھی۔ اگر وہ گرفتار نہ ہوا تو میں سمجھوں گا، ہم اس کیس کو حل کرنے میں بری طرح ناکام ہو گئے ہیں۔"

یہ کہہ کر انہوں نے فنگر پرنٹس کے عملے کو فون کیا۔ عملے نے آکر اینٹ پر پاؤڈر چھڑک تصویریں اتاریں، پھر وہ چھت پر گئے اور قدموں کے نشانات کی تصویریں بھی لے لی گئیں۔

"مجھے ان تصویروں کی رپورٹ فوراً چاہیے، میں جاننا چاہتا ہوں کہ اینٹ پر نشانات پائے گئے ہیں یا نہیں۔"

"بہت بہتر سر!" انہوں نے کہا اور چلے گئے۔

امجد رؤف کا خوف چونکہ ابھی مکمل طور پر دور نہیں ہوا تھا، اس لیے رات کے وقت انہوں نے وہاں سے جانا مناسب نہیں سمجھا۔ ٹھیک دو گھنٹے بعد فنگر پرنٹ کے عملے کے دو ارکان واپس آئے اور رپورٹ اور تصویریں ان کے حوالے کر کے رخصت ہوئے۔ انہوں نے بغور تصویریں دیکھیں، رپورٹ کا معائنہ کیا اور پرسکون آواز میں بولے:

"ہر مجرم کوئی نہ کوئی غلطی ضرور کر جاتا ہے، شاید اس نے سوچا

تھا کہ ہم اینٹ پر انگلیوں کے نشانات کہاں تلاش کریں گے، لہٰذا اس نے دستانے پہننے کی ضرورت نہیں سمجھی اور اینٹ پر انگلیوں کے نشانات چھوڑ گیا۔ اب ہمارے پاس نہ صرف اس کی انگلیوں کے نشانات ہیں بلکہ اس کے قدموں کے نشانات بھی ہیں، کیونکہ چھت پر چھ آدمیوں کے قدموں کے نشانات پائے گئے ہیں جب کہ یہاں پانچ آدمی تھے، ظاہر ہے، چھٹے نشانات صرف اسی کے ہیں جس نے اینٹ کے ذریعے پیٹر کے سر کو نشانہ بنایا۔" انسپکٹر کامران مرزا کہتے چلے گئے۔

"لیکن ابا جان! آپ اس آدمی کو کہاں ڈھونڈتے پھریں گے اور کیسے ڈھونڈیں گے؟" آفتاب نے پریشان ہو کر کہا۔

"بھئی یہ کوئی بات نہیں، اس وقت تک اس کیس میں جتنے آدمی بھی سامنے آئے ہیں، ان سب کے انگلیوں کے نشانات لے لوں گا۔" وہ مسکرائے۔

"مثلاً کون کون سامنے آئے ہیں۔"

"خیر ایک تو سالار جنگ ہی ہے۔" وہ مسکرائے۔

"جی! بھلا وہ کس طرح مجرم ہو سکتا ہے، وہ تو اس وقت بھی حوالات میں ہوگا، ہاں اب اکرم غوری صاحب جا کر ضرور اسے رہا کر دیں گے۔"

"میں ہر آدمی کا جائزہ لوں گا۔"

"اچھا چلیے، سالار جنگ کے علاوہ اور کون لوگ ہیں آپ کی نظر میں؟"

"سب سے پہلے تو امجد رؤف ہی ہیں.... اس کے بعد ان کے بھائی اختر رؤف ہیں۔"

"جی! یہ آپ کیا فرما رہے ہیں، کیا ہم لوگ بھی شک کی زد میں آتے ہیں؟" امجد رؤف نے حیران ہو کر کہا۔

"سبھی کچھ ممکن ہے، میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ رضاکارانہ طور پر اپنی انگلیوں کے نشانات دے دیں۔"

"لیکن انکل! مجرم تو اس وقت چھت پر موجود تھا جب یہ لوگ اپنے اپنے کمرے میں تھے۔"

"یہ ٹھیک ہے، لیکن اس کے باوجود میں ان سب کی انگلیوں کے نشانات لینا پسند کروں گا، یہاں تک کہ بیگم امجد رؤف صاحب کے بھی۔"

"ارے باپ رے.... تب پھر آپ عامرہ اور جبار امجد کو کیوں چھوڑ رہے ہیں۔" بیگم امجد بولیں۔

"چلیے، ان کی انگلیوں کے نشانات بھی لے لیتے ہیں۔" وہ مسکرائے اور پھر انہوں نے آفتاب اور آصف کو اشارہ کیا۔ انہوں نے سب کی انگلیوں کے نشانات لے لیے۔ امجد رؤف کی انگلیوں کے نشانات لینے کی صورت میں باقی لوگ کوئی اعتراض کرنے کے

قابل نہیں رہے تھے پھر جونہی وہ لوگ کمرے میں آئے۔ انسپکٹر کامران مرزا ان نشانات کو اینٹ پر پائے جانے والے نشانات سے ملانے لگے۔

"ابا جان! کہیں آپ اختر رؤف پر تو شک نہیں کر رہے؟"

"سب پر شک کر رہا ہوں۔ یہ معاملہ ابھی تک میرے ذہن میں صاف نہیں ہوا۔" انہوں نے کہا۔ "صبح سب سے پہلے میں سالار جنگ کی انگلیوں کے نشانات لوں گا۔"

"کیوں نہ اسے ابھی یہاں بلا لیا جائے۔"

"یہ اور بھی اچھا ہے، ٹھہرو، میں اکرم غوری کو فون کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر انہوں نے فون پر اکرم غوری کے نمبر گھمائے۔ دوسری طرف سے فوراً جواب ملا۔

"کیا آپ سالار جنگ کو رہا کر چکے ہیں؟"

"ابھی نہیں، میرا ایک آدمی اسے حوالات سے لینے کے لیے گیا ہے۔"

"ٹھیک ہے، اسے یہیں میرے پاس بھیج دیجیے۔"

"آپ ابھی تک امجد رؤف کے گھر میں ہی ہیں؟"

"جی ہاں! اسے یہیں بھیج دیں۔" انہوں نے کہا۔

"بہت بہتر!" اکرم غوری نے کہا اور سلسلہ قطع کر دیا۔

"ابا جان! میری سمجھ میں ایک بات نہیں آئی۔" آفتاب نے

قدرے منہ بنا کر کہا۔

"پوچھو، وہ کونسی بات ہے"۔

"یہ کہ آپ اینٹ پر پائے جانے والے انگلیوں کے نشانات سے سب گھر والوں کی انگلیوں کے نشانات ملا ملا کر دیکھ رہے ہیں، جب کہ یہ سب لوگ تو اپنے اپنے کمرے میں بند تھے"۔

"آفتاب تم نے بہت اچھا سوال کیا ہے، میں تمہیں اتنا عقلمند نہیں سمجھتا تھا"۔ انسپکٹر کامران مرزا خوش ہو کر بولے۔

"خدا کا شکر ہے کہ آپ مجھے عقلمند تو سمجھتے ہیں"۔ آفتاب نے بھی خوش ہو کر کہا۔

"تمہارے سوال کا جواب یہ ہے کہ اس مکان کی بناوٹ کچھ اس قسم کی ہے کہ کوئی بھی شخص اپنے کمرے سے نکل کر صحن کی طرف سے گزرے بغیر گھر سے باہر جا سکتا ہے۔ اب فرض کرو سادہ لباس والوں کے اندر آنے کے بعد ان میں سے کوئی گھر سے باہر نکل گیا اور دوسری طرف لگی رسی کی سیڑھی کے ذریعے چھت پر چڑھ گیا، وہاں سے اس نے ایک اینٹ پیٹر کے سر پر دے ماری اور واپس اتر کر صدر دروازے سے ہوتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا، کیا اس صورت میں مجھے نشانات ملا کر نہیں دیکھنے چاہییں"۔

"سوال یہ ہے کہ اصل گھر کے کسی فرد کو ایسا کرنے کی

کیا ضرورت تھی"۔ آصف نے جلدی سے کہا۔

"ہو سکتا ہے، نشہ آور ادویات کی تجارت کرنے والے گروہ کا باس اس گھر کا ہی کوئی فرد ہو"۔

"اوہو، آپ یہاں تک بھی اندازہ لگا سکتے ہیں"۔

"اندازہ تو میں نہ جانے کہاں تک لگا سکتا ہوں"۔ وہ مسکرائے اور پھر بولے: "ویسے ابھی تک گھر کے کسی فرد کی انگلیوں کے نشانات اینٹ پر پائے جانے والے نشانات سے نہیں ملے"۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کسی نے اینٹ اپنے بائیں ہاتھ سے پھینکی ہو"۔

"نشانہ عام طور پر دائیں ہاتھ سے لیا جاتا ہے، تاہم ہم اس امکان کا بھی جائزہ لیں گے اور ایک بار پھر گھر کے افراد کے بائیں ہاتھ کی انگلیوں کے نشانات بھی لیں گے"۔

"سچ بات تو یہ ہے ابا جان کہ ہم نے یہ کیس تقریباً نصف حل کر لیا ہے"۔ آفتاب نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تم کیا کہنا چاہتے ہو"۔ انسپکٹر کامران مرزا سے اسے گھورا۔

"جی! یہ کہ اب ہمیں سو جانا چاہیے، باقی باتیں صبح دیکھ لیں گے"۔ آفتاب نے کہا۔

"اور سالار جنگ صاحب جو آ رہے ہیں"۔

"چلیے جناب.... انہیں بھی آ لینے دیں.... ویسے انہیں تو آپ

نے یہاں بلاوجہ ہی بلایا، کیا آپ کے خیال میں اس نے حوالات سے نکل کر یہاں آکر پیٹر کو نشانہ بنایا ہو گا۔"

"یوں تو یہ ناممکن نظر آتا ہے، لیکن کسی نے کہا ہے کہ اس دنیا میں کچھ بھی ناممکن نہیں ہے۔"

"خدا جانے یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔" آصف نے سرد آہ بھر کر کہا۔

"بیٹھ جائے گا، تم کیوں اونٹ کی فکر میں دبلے ہو رہے ہو۔" آفتاب ہنسا۔

"بھئی وہ قاضی صاحب ہوا کرتے ہیں، شہر کے اندیشے میں دبلے۔" انسپکٹر کامران مرزا کی بھی ہنسی نکل گئی۔

"تو کیا ہوا ابا جان! ضرورت کے مطابق ہم تبدیلی کر لیا کرتے ہیں۔"

اچانک انسپکٹر کامران مرزا چونک اٹھے، پھر انہوں نے جلدی سے ریسیور کی طرف ہاتھ بڑھایا:

"کیا ہوا ابا جان، خیر تو ہے۔"

"مجھے فضل کا خیال آگیا، اس کا کوئی پتا نہیں کہ وہ کہاں ہے۔"

"جی کیا مطلب؟" دونوں ایک ساتھ بولے۔

"میں نے اسے پیٹر اینڈ کو نگرانی پر لگایا تھا، لیکن اب نہ وہ وہاں ہے اور نہ اپنے گھر۔"

"اوہ! وہ کہاں چلے گئے، ان کے بیوی بچے پریشان ہوں گے۔" آصف نے فکر مند ہو کر کہا۔

"ہاں! ہمیں اس کے لیے بھی کچھ کرنا چاہیے، پہلے میں ذرا دفتر فون کر کے معلوم کر لوں کہ وہ لوٹا ہے یا نہیں۔" یہ کہہ کر انہوں نے نمبر ڈائل کیے، چوکیدار نے بتایا کہ سب انسپکٹر فضل اب تک واپس نہیں آئے۔ ان کے بیوی بچے بہت پریشان ہیں۔

"اوہ! ان سے کہہ دو کہ پریشان نہ ہوں، میں ابھی ان کی تلاش میں نکلتا ہوں۔" یہ کہہ کر انہوں نے ریسیور رکھ دیا اور ان کی طرف مڑے:

"سب انسپکٹر فضل پیٹر کی نگرانی کر رہا تھا، پیٹر جب اپنے گھر سے نکلا تو راستے میں سالار جنگ کے گھر گیا، وہاں سے نکل کر وہ میرے پاس پہنچا۔ اس کے بعد شاید اپنے گھر گیا ہو گا، پھر پیٹر نقاب پوش کے روپ میں امجد رؤف کا خاتمہ کرنے کے ارادے سے نکلا تو وہ اس وقت بھی اس کے پیچھے ہو گا اور اس کوٹھی کے پچھلے حصے تک آیا ہو گا اور یہاں اصل مجرم بھی آپہنچا، جس نے پیٹر کے سر پر اینٹ دے ماری، اب دو ہی صورتیں ممکن ہیں، یا تو فضل نے اسے دیکھ لیا اور اس کے تعاقب میں چلا گیا، یا پھر مجرم نے اسے دیکھ لیا اور اس نے اسے، لہٰذا مجرم کے لیے یہ ضروری ہو گیا کہ فضل کا کوئی بندوبست کرے، مجھے ڈر ہے، کہیں اس نے فضل کو ختم نہ کر دیا ہو

یا کسی جگہ قید نہ کر دیا ہو اور اب ہمیں اس کی تلاش میں نکلنا ہی ہو گا۔"

"لیکن ابا جان! امجد رؤف صاحب کو چھوڑ کر ہم کس طرح جا سکتے ہیں۔"

"میرے خیال میں تو اب انہیں کوئی خطرہ نہیں ہے، اصل مجرم دراصل اپنی جگہ پیٹر کو گرفتار کرانا چاہتا تھا تاکہ اسے ہی گروہ کا لیڈر سمجھ لیا جائے اور وہ خود بال بال بچا رہے، اس صورت میں اب وہ امجد رؤف پر حملہ کرنے کی غلطی نہیں کرے گا، تاہم یہ لوگ دروازے اندر سے بند کر کے سوئیں گے اور سادہ لباس والے بدستور نگرانی کریں گے، اس مرتبہ دو آدمی کوٹھی کے پچھلے حصے پر بھی رہیں گے۔"

وہ اٹھے ہی تھے کہ ایک بار پھر فون کی گھنٹی بجی۔ دوسری طرف پولیس چیف اکرم غوری تھے۔ انہوں نے سنا، وہ کہہ رہے تھے:

"انتہائی حیرت انگیز خبر ہے جناب! تھوڑی سی سختی کرنے پر ہی پیٹر نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ اس گروہ کا اصل لیڈر وہی ہے، یہ سارا کاروبار وہی چلا رہا تھا۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا، پھر چونک کر بولے:

"لیکن پھر اس کے سر پر اینٹ کس نے دے ماری تھی۔"

"اس کا خیال ہے کہ یہ حرکت اس کے کسی باغی کارکن کی

ہو سکتی ہے جو اس سے خار کھانے لگا ہو گا۔"

"ہوں! بات تو دل کو لگتی ہے، خیر! میں آ رہا ہوں، میں بھی اس سے چند سوال کرنا پسند کروں گا۔"

"ضرور آئیے، میں یہیں ملوں گا۔"

ریسیور رکھ کر انسپکٹر کامران مرزا نے انہیں یہ نئی خبر سنائی اور وہ حیرت زدہ رہ گئے۔

"یہ کیس تو ہر لمحے گرگٹ کی طرح رنگ بدل رہا ہے۔" آفتاب کے منہ سے نکلا:

"اور کیا تمہاری طرح بدلے۔" آصف بولا

"ارے .... کہیں ایسا تو نہیں۔" اچانک آفتاب بول پڑا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو۔" انسپکٹر کامران مرزا نے اسے گھورا۔

"یہ کہ کہیں سب انسپکٹر فضل نے تو اینٹ پیٹر کے سر پر نہیں دے ماری تھی ..... اس طرح پیٹر کا یہ بیان درست ثابت ہو جاتا ہے کہ وہی گروہ کا لیڈر ہے۔"

"ویری گڈ! اچھا خیال ہے، لیکن پھر فضل کہاں چلا گیا۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ فضل کہاں چلا گیا، میں آپ کو فوراً بتا دیتا۔" آفتاب نے مسمسی صورت بنا کر کہا۔

"یہ جواب ہے ان کا۔" آصف نے منہ بنایا۔

"چلو تو تم بتا دو، فضل کہاں ہو گا؟"

"ختم کرو، ہم پولیس ہیڈ کوارٹر چل رہے ہیں۔"

وہ جیپ میں بیٹھ کر ہیڈ کوارٹر پہنچے۔ اکرم غوری ان کا انتظار کر رہے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔

"لیجیے جناب! سارا کیس ہی حل ہو گیا اور یہ سب آپ کی مہربانی سے ہوا۔ اب صبح کے اخبارات بڑی سنسنی خیز خبریں جمائیں گے۔"

"جی ہاں! یہ تو ہے.... مجھے حیرت ہے، پیٹر نے یہ سب اتنی جلدی کس طرح تسلیم کر لیا؟"

"وہ بہت تھوڑے دل کا آدمی ہے، ابھی اس پر پہلا حربہ ہی استعمال کیا تھا کہ فرفر بولنے لگا۔" اکرم خوشی خوشی سے کھلا پڑ رہا تھا۔

"آیئے! میں اس سے ایک دو سوال کر لوں۔"

وہ کمرۂ امتحان میں داخل ہوئے، یہاں ملزموں پر سختی کر کے ان سے ان کے جرائم کے بارے میں اگلوایا جاتا تھا۔ ایک کرسی پر پیٹر جکڑا نظر آیا، اس کے سر کے بالوں کو چھت سے لٹکے ایک رسے میں باندھا گیا تھا، رسے کا دوسرا سرا ایک چرخی پر سے ہوتا ہوا نیچے تک آ رہا تھا اور یہ دوسرا سرا ایک کانسٹیبل کے ہاتھ میں تھا۔

"پہلی بار ہی جب یہ اپنے بالوں پر لٹکا تو اس کی چیخوں نے کمرے میں گونج پیدا کر دی اور چیخ چیخ کر کہنے لگا، مجھے زمین پر لٹا دو، میں سب کچھ بتانے کے لیے تیار ہوں۔"

"بہت خوب!" یہ کہہ کر انسپکٹر کامران مرزا پیٹر کے نزدیک چلے گئے۔

"ہیلو مسٹر پیٹر! تو تم ہی اس گروہ کے لیڈر ہو۔"

"ہاں! میں ہی ہوں، خدا کے لیے مجھے کھلوا دیجیے۔"

"ابھی کھلوا دیتے ہیں، اچھا اگر لیڈر تم ہو تو تمہارے سر پر اینٹ کس نے دے ماری تھی؟" انہوں نے سرسری لہجے میں کہا۔

"میرے کسی کارکن نے، وہ ضرور باغی ہو گیا ہو گا اور مجھ سے دشمنی پر اتر آیا ہو گا۔"

"خیر! میں مان لیتا ہوں، اچھا تم نے سالار جنگ کو گرفتار کرانے کی کوشش کیوں کی تھی؟"

"میں چاہتا تھا کہ پولیس اسے گرفتار کر کے اس کی طرف متوجہ رہے اور میں مزے سے اپنا کاروبار کرتا رہوں۔"

"لیکن پولیس کتنی دیر تک سالار جنگ کی طرف متوجہ رہ سکتی تھی؟"

"میں اس کے خلاف اور کئی ثبوت پیدا کر دیتا۔" اس نے کہا۔

"بہت خوب! غوری صاحب! سالار جنگ تو یہاں سے جا

چکا ہو گا۔"

"جی ہاں! میں نے اسے آپ کے پاس جانے کی ہدایت کر دی تھی۔"

"ٹھیک ہے، ہم اس سے مل لیں گے.... ہاں تو مسٹر پیٹر! گروہ کے لیڈر کے بارے میں ہمیں تو آپ نے اور ہی کہانی سنائی تھی .... یہاں آکر کہانی بالکل ہی بدل دی۔"

"اب جب کہ میں گرفتار ہو گیا ہوں، جھوٹ بول کر کیا فائدہ حاصل کروں گا.... اگر میں یہ بھی کہتا رہوں کہ گروہ کا لیڈر میں نہیں ہوں، تو بھی کیا فرق پڑ جائے گا، مجھے کوئی کم سزا تو نہیں دی جائے گی۔"

"بہت خوب! تم ہو عقل مند آدمی۔" یہ کہہ کر وہ اکرم غوری کی طرف مڑے:

"میرا خیال ہے، اب اسے باندھے رکھنے کی ضرورت نہیں۔"

"ابھی تو جناب اس سے اس کے گروہ کے تمام آدمیوں کے نام اگلوانے ہیں۔"

"ظاہر ہے کہ یہ انہیں بچانے کی کوشش کیوں کرے گا، یہ تو خود بخود ان کے نام اور پتے بتا دے گا.... آپ کے آفیسر تو بہت خوش ہوں گے۔"

"بے شک۔ اس سے پہلے تو انہوں نے میرا ناک میں دم

کر رکھا تھا کہ منشیات کی تجارت کرنے والے گروہ کے آدمی آخر گرفتار کیوں نہیں ہوتے، آپ دیکھ سکتے ہیں کہ چکر کتنی رازداری سے چلایا جا رہا تھا، یہی وجہ تھی کہ کوئی گرفتار نہیں ہو رہا تھا، یہ تو ایک اتفاق تھا کہ امجد رؤف کا معاملہ درمیان میں آ ٹپکا اور پیٹر سے یہ غلطی ہوئی کہ خود امجد رؤف کا کام تمام کرنے چلا گیا، ورنہ ہم تو شاید اب بھی اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مار رہے ہوتے۔"

"ہوں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے گہری سوچ میں گم ہوتے ہوئے کہا پھر وہ اکرم غوری کے ساتھ باہر آئے....

"میرا خیال ہے، آپ ایک ایک کپ چائے کا پینا پسند کریں گے۔"

"چلیے جناب! پی لیتے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

اکرم غوری اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ تینوں نے اس کے سامنے کی کرسیاں سنبھالیں۔

"آج میں بہت خوش ہوں.... ایک بڑی کامیابی آپ لوگوں کے تعاون سے مجھے حاصل ہوئی ہے،

اب ضرور مجھے ترقی مل جائے گی۔" اکرم غوری نے پیپر ویٹ کو گھماتے ہوئے کہا۔

"ہماری طرف سے ترقی کی پیشگی مبارک باد قبول فرمائیں، انشاءاللہ

ہم آئندہ بھی ایک دوسرے مل کر کام کریں گے۔"

"ضرور جناب! کیوں نہیں، میں اسے اپنی خوش قسمتی سمجھوں گا۔"

چائے پینے کے بعد وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہیڈ کوارٹر سے باہر نکلے تو آفتاب نے کہا:

"ابا جان مجھے اس بات پر بڑی حیرت ہے کہ....."

"میں جانتا ہوں تمہیں کس بات پر حیرت ہوئی ہے، بس خاموش ہی رہو۔" انسپکٹر کامران مرزا منہ بنا کر بولے۔ آفتاب اور آصف نے انہیں حیرت بھری نظروں سے دیکھا، ان کا موڈ کچھ اکھڑا اکھڑا تھا۔ امجد رؤف کی کوٹھی میں داخل ہوئے تو صحن میں سالار جنگ ان کا انتظار کر رہا تھا۔

"انسپکٹر صاحب! میں آپ کا کس منہ سے شکریہ ادا کروں گا۔"

"کسی منہ سے بھی نہیں، کیونکہ انہیں شکریوں کی ایسی ضرورت نہیں۔" آفتاب بول پڑا۔

"جی! کیا مطلب؟" سالار جنگ نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"کچھ نہیں! لیکن اب میں یہ سوچ رہا ہوں کہ آپ کی ملازمت کا کیا بنے گا، پیٹر اینڈ کو تو سیل کر دی گئی ہے۔"

"اللہ مالک ہے جناب!" اس نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"آپ کوئی فکر نہ کریں، صبح میرے دفتر آ جائیں۔ اور اب اپنے

گھر جائیے، آپ کے بیوی بچے اور والدہ پریشان ہوں گے۔"

"جی بہت بہت شکریہ!" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے جاتے ہی انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"میز کی سطح پر وہ اپنی انگلیوں کے نشانات چھوڑ گیا ہے .... ہمیں یہ نشانات بھی محفوظ کرنے ہیں۔"

"اوہو! تو کیا آپ اس پر بھی شک کر رہے ہیں۔"

"بھئی! سب سے زیادہ شک تو مجھے اسی پر ہے۔" وہ مسکرائے۔

"حیرت ہے، کیا یہ شخص بھی گروہ کا لیڈر ہو سکتا ہے۔"

"کیوں نہیں ہو سکتا۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"لیکن ابا جان! اب تو پیٹر یہ بات تسلیم کر بھی چکا ہے کہ لیڈر وہی ہے۔"

"ہو سکتا ہے، مکرہ امتحان سے خوف زدہ ہو کر اس نے یہ بات تسلیم کر لی ہو، کیونکہ یہاں اس نے جو کچھ کہا تھا، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ لیڈر کوئی اور ہے، کون ہے، یہ بات اس کے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں۔"

"لیجیے! ہم یہ سمجھتے تھے کہ کیس ختم ہوا، اب آپ اسے نئے سرے سے شروع کر رہے ہیں۔"

"بھئی تمہارے خیال میں ختم ہوا تھا، میرے خیال میں نہیں۔" وہ مسکرائے۔ "اور پھر ابھی تو فضل کا معاملہ جوں کا توں رہتا ہے، آخر

فضل کہاں چلا گیا۔

"خدا جانے کہاں چلے گئے اور کیوں چلے گئے، ہمارے لیے تو مصیبت کھڑی کر گئے نا۔" آفتاب نے منہ بنا کر کہا۔

"اور انکل! آپ تو ان کی تلاش میں نکل رہے تھے۔"

"ہاں! اب یہ کام بھی کرنا پڑے گا، آج کی ساری رات یونہی گزر جائے گی، خیر میں فضل کی تلاش کے لیے کچھ اور لوگوں کو بھی دوڑاتا ہوں۔" یہ کہہ کر انہوں نے ادھر ادھر فون کرنے شروع کر دیے۔ پھر تینوں خود بھی گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ انہوں نے تمام شہر کی سڑکیں ناپ ڈالیں، لیکن سب انسپکٹر فضل کا کوئی سراغ نہ ملا ..... یہاں تک کہ صبح کا اجالا پھیلنے لگا .... اور ان پر مایوسی غالب آنے لگی۔ فضل کی تلاش میں ان کے علاوہ اور جتنے آدمی بھی نکلے تھے، ان سب کی طرف سے بھی مایوس کن رپورٹیں موصول ہوئیں۔ تھکے ہارے وہ فضل کے گھر پہنچے، اس کے بیوی بچوں کو دلاسا دیا اور پھر اپنے گھر واپس آئے۔ رات بھر جاگتے رہے تھے، لہٰذا اب نیند نے انہیں آلیا۔ دوپہر تک پڑے سوتے رہے۔ دوپہر کے بعد انسپکٹر کامران مرزا تو نہا دھو کر دفتر چلے گئے، آفتاب اور آصف سکول کا کام کرنے لگے، آج وہ سکول نہیں جا سکتے تھے..... تاہم سکول کا کام تو کر ہی سکتے تھے۔ شہناز بیگم باورچی خانے میں مصروف تھیں۔ اخبارات نے انتہائی سنسنی خیز انداز میں منشیات کے گروہ اور اس کے

لیڈر کی گرفتاری کی خبریں شائع کی تھیں۔ پیٹر کی تصویر کے ساتھ ساتھ اکرم غوری کی تصویر بھی شائع ہوئی تھی۔ اکرم غوری کی خوب ہی تعریف کی گئی تھی۔ البتہ ان کا نام کہیں نہیں تھا، انسپکٹر کامران مرزا نے خود ہی اکرم غوری سے کہا تھا کہ ان کا نام نہ آنا پائے۔ دوسری طرف ابھی تک سب انسپکٹر فضل کا کوئی پتا نہیں چلا تھا۔ ایسے میں دروازے کی گھنٹی بج اٹھی۔ انسپکٹر کامران مرزا اتنی جلدی نہیں آ سکتے تھے، لہٰذا یہ کوئی اور تھا، چنانچہ آصف نے کاپی کاغذ میز پر رکھا اور دروازہ کھولنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ دروازے پر اسے دو نوجوان آدمی نظر آئے۔

"ہمیں انسپکٹر کامران مرزا صاحب سے ملنا ہے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"وہ اس وقت دفتر میں ہیں۔"

"تب پھر آپ ہمیں انہیں فون کر لینے دیں، تاکہ ان سے ہدایت لے سکیں، دراصل ہم پہلے دفتر ہی گئے تھے، وہاں سے پتا چلا، آج وہ دفتر نہیں آئے، چنانچہ ہم ادھر آ گئے۔"

"وہ ابھی ابھی دفتر گئے ہیں۔" آصف نے کہا۔ "آپ اندر آ کر انہیں فون کر لیں۔"

آصف انہیں فون تک لے آیا۔ ان میں سے ایک فون پر جھکا، لیکن پھر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اب آصف نے دیکھا، اس

کے ہاتھ میں ایک عدد پستول تھا اور اس کی نال کا رُخ اس کے سینے کی طرف تھا۔

"ہاتھ اوپر اٹھا لو، شمشیر خان! تم دروازہ اندر سے بند کر آؤ۔"

"بہت خوب مولا داد۔" اس نے کہا اور دبے پاؤں دروازے کی طرف چلا گیا۔ آصف دم بخود تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ جلد ہی شمشیر خان واپس آتا دکھائی دیا۔

"اب تم اسے باندھ لو، ہاتھ کمر کے پیچھے کر لو برخوردار۔"

"بہت اچھا انکل!" آصف نے خوش گوار لہجے میں کہا۔ اسی وقت آفتاب کی آواز مکان میں گونجی۔

"بھئی آصف! دروازے پر کون تھا، تم کہاں رہ گئے ہو۔"

"اس سے کہو.... میں آ رہا ہوں۔"

"آ رہا ہوں بھائی۔" آصف نے ہانک لگائی۔

آفتاب اس کا یہ جملہ سن کر چونک اٹھا۔ وہ اسے بھائی کے لفظ سے کبھی نہیں پکارتا تھا۔ اس کے کان کھڑے ہو گئے۔ کاغذ قلم رکھ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور دروازے میں سے جھانک کر دیکھا .... صحن میں اسے نیا منظر نظر آیا، ایک شخص آصف کی طرف پستول تانے کھڑا تھا اور دوسرا اس کے ہاتھ کمر پر باندھ رہا تھا، عین اسی وقت اس نے کسی ضرورت کے تحت اپنی امّی جان کو باورچی خانے

سے نکلتے دیکھا، وہ گھبرا گیا، ادھر شہناز بیگم کی سٹی گم ہو گئی۔

"تم بھی ہاتھ اوپر اٹھا دو بیگم صاحبہ!" مولا داد نے کہا۔ ان کے ہاتھ اوپر اٹھتے چلے گئے۔ آفتاب سوچ میں ڈوب گیا، کرے تو کیا کرے، کمرے سے نکل نہیں سکتا تھا، کیونکہ دیکھ لیا جاتا، کھڑکی کے راستے گھر سے باہر نکل سکتا تھا، لیکن اندر حالات نازک صورت اختیار کر جاتے۔ اس نے جلدی سے پورے کمرے پر ایک نظر ڈالی، پھر غسل خانے میں دیکھا، آخر کھڑکی کے اوپر پردے والے لوہے کے راڈ پر نظر پڑی۔ اب لے دے کے ..... اس کے پاس یہی ہتھیار رہ گیا تھا۔ اس نے راڈ اتار لیا اور دروازے کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد قدموں کی چاپ سنائی دی۔ آفتاب راڈ کو ہاتھوں میں تولتے ہوئے حملہ کرنے کے لیے تیار ہو گیا، لیکن پھر اس کا ہاتھ اٹھا کا اٹھا رہ گیا، سب سے آگے آصف اندر داخل ہوا تھا اور پھر شہناز بیگم، دونوں حملہ آوروں میں سے کوئی اندر نہ آیا، البتہ ان میں سے ایک نے بلند آواز میں کہا:

"یہ دونوں ہمارے نشانے پر ہیں، لہٰذا تم بھی سامنے آ جاؤ، کوئی شرارت نہیں چلے گی، ہم تمہاری حرکتوں سے اچھی طرح واقف ہیں۔"

"اوہو! مجھے کیا معلوم تھا کہ واسطہ پرانے واقف کاروں سے

ہے، لیجیے میں سامنے آگیا۔" یہ کہہ کر اس نے راڈ کو دیوار کے ساتھ لگایا اور ہاتھ سر سے اوپر اٹھاتے ہوئے ان کے سامنے آگیا۔

"بہت خوب! یہ ہوئی نا عقل مندی کی بات، شمشیر خان ..... اسے بھی باندھ دو۔"

"تم کیا چاہتے ہو دوستو!"

"بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔" مولا داد بولا۔

"تمہارے نام جانے پہچانے سے لگتے ہیں ..... تم لوگ پنجابی فلموں کے ولن تو نہیں ہو۔" آفتاب نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

"اس وقت تو ہم تمہارے لیے ولن ثابت ہوں گے۔"

"تب تو تمہارا حشر بھی ولنوں جیسا ہونا چاہیے اور یہ تم جانتے ہی ہو، ہماری پنجابی فلموں میں ولنوں کا کیا حشر ہوتا ہے۔"

"باتیں نہ بناؤ، چپ چاپ خود کو بندھوا لو۔"

"جی بہت اچھا!" اس نے کہا اور ہاتھ کمر کے پیچھے کر لیے۔ تینوں کو الگ الگ باندھنے کے بعد ایک ساتھ کھڑا کر کے بھی باندھ دیا گیا۔

"یہ کیا! تم ہم لوگوں کا گٹھا تیار کر رہے ہو۔" آفتاب نے بوکھلا کر کہا۔

"ہاں! انسپکٹر کامران مرزا اس گٹھے کو آکر خود ہی کھول لیں گے۔"

"بہت خوب! آدمی تو تم شریف ہو۔" آصف نے خوش ہو کر کہا۔ "لیکن یہ تم نے اب تک نہیں بتایا کہ چاہتے کیا ہو؟"

"معلوم ہوتا ہے، تم میں صبر کا مادہ ہے ہی نہیں۔"

"ہاں! میرا بھی یہی خیال ہے۔" آفتاب جلدی سے بولا۔

"خیر سنو! ہم تمہیں تھوڑی دیر کے لیے اس کمرے میں بند کرنا چاہتے ہیں۔" شمشیر خان نے کہا۔

"اور ہمیں بند کر کے تم کیا کرو گے۔"

"بس ذرا تمہارے گھر میں چہل قدمی کریں گے۔"

"بہت خوب! یہ ہمارا گھر ہے یا کوئی ٹھنڈی سڑک۔" آفتاب نے منہ بنا کر کہا۔

"بس باتیں بند، اب ہمیں کچھ کام بھی کرنے دو۔"

یہ کہہ کر دونوں باہر نکل گئے، انہوں نے کمرے کا دروازہ باہر سے بند کر دیا۔ بہت دیر گزرنے پر بھی وہ لوٹ کر نہ آئے تو ان کی بے چینی بڑھ گئی۔

"ارے بھئی! تم لوگ ہمیں بھول تو نہیں گئے۔" آصف نے ہانک لگائی، لیکن کوئی جواب نہ ملا۔

"یارو! کہیں تم سو تو نہیں گئے، اگر سونے کا ہی پروگرام ہے تو ہمیں کھولنے کے بعد نہایت اطمینان سے سو سکتے ہو، ہم کوئی

اعتراض نہیں کریں گے، بلکہ اگر ابدی نیند بھی سو گئے، تب بھی کوئی اعتراض نہیں کریں گے۔" آفتاب نے بلند آواز میں کہا، لیکن کوئی جواب نہ ملا۔

"شاید وہ دونوں جا چکے ہیں۔"

"ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، کیوں نہ ہم شور مچا کر کسی پڑوسی کو بلا لیں، اس طرح ان رسیوں سے تو نجات مل ہی جائے گی۔"

"لیکن اس طرح ہماری کتنی بے عزتی ہو گی.... یوں بھی ابا جان کے آنے کا وقت ہو چکا ہے، بہتر ہے، ہم کچھ دیر اور صبر کر لیں۔"

"لیکن صبر کا مادہ کہاں سے لائیں۔"

"توبہ ہے! تم دونوں اس عالم میں [illegible] آتے۔" شہناز بیگم نے جھلا کر کہا۔

اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی، انداز انسپکٹر کامران مرزا کا تھا۔

"ابا جان! آ جائیے، دروازہ اندر سے بند نہیں ہے۔" آفتاب نے بلند آواز میں کہا، پھر قدموں کی چاپ سنائی دی۔

"ارے بھئی تم لوگ کہاں ہو۔" ان کی حیرت بھری آواز کانوں سے ٹکرائی۔

"ہم اس طرف ہیں انکل۔" آصف چلایا۔

انسپکٹر کامران مرزا ان کے کمرے میں داخل ہوئے اور حیرت زدہ رہ گئے۔ پھر انہوں نے کہا:

"ہائیں! یہ تم اس طرح بندھے ہوئے کیا کر رہے ہو، کیا یہ کوئی نیا کھیل ہے۔"

پیپر ویٹ

"ابا جان! ہم خود نہیں بندھے، ہمیں باندھا گیا ہے۔"

"ہائیں کیا مطلب؟" انہوں نے چونک کر کہا اور پھر جلدی سے آگے بڑھ کر رسیاں کھولنے لگے۔ انہوں نے ساری بات کہہ سنائی:

"یار میں تم دونوں کو اتنا ناکارہ نہیں سمجھتا تھا کہ وہ حملہ آوروں پر بھی قابو نہ پا سکو۔"

"جی بس بے خبری میں مار کھا گئے، ویسے یہ ہمیں آج ہی پتا چلا کہ آپ ہمیں کس قدر ناکارہ سمجھتے تھے۔" آفتاب نے مایوس ہو کر کہا۔

"بھئی تم شکر کرو کہ میں تمہیں بالکل ناکارہ نہیں سمجھتا۔" وہ مسکرائے۔ تینوں رسیوں سے آزاد ہونے کے بعد ہاتھ پیر ہلانے لگے:

"ابا جان! سوال یہ ہے کہ وہ دونوں چاہتے کیا تھے؟"

"ابھی معلوم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے پورے گھر کا جائزہ لیا، انسپکٹر کامران مرزا کے کمرے میں داخل ہوتے ہی

وہ دھک سے رہ گئے۔ پورے کمرے کو درہم برہم کر دیا گیا تھا۔ ہر چیز کی بے دردی سے تلاشی لی گئی تھی۔

"حیرت ہے، آخر وہ کیا چیز تلاش کر رہے تھے۔" آصف کے منہ سے نکلا۔

"کوئی نہ کوئی چیز تو ضرور تلاش کر رہے تھے، ورنہ اس بیدردی سے انہیں تلاشی لینے کی کیا ضرورت تھی، یار تم اتنی سی بات بھی نہیں سمجھتے۔" انہوں نے کہا پھر چونک کر بولے۔

"ٹھہرو، پہلے میں اپنی الماری دیکھ لوں۔" یہ کہہ کر انسپکٹر کامران مرزا آگے بڑھے۔ انہوں نے ایک الماری کے پٹ کھول ڈالے اور پھر مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔

"انہوں نے الماری کو سب سے بعد میں کھولا، ورنہ ہر چیز الٹ پلٹ نہ ملتی۔" انہوں نے کہا۔

"کیا مطلب؟ کیا وہ چیز الماری میں تھی!" آصف چونکا۔

"ہاں! اور وہ اسے لے گئے ہیں۔"

"آخر وہ ایسی کیا چیز تھی۔" شہناز بیگم نے پہلی مرتبہ گفتگو میں حصہ لیا۔

"وہ ایک پیپر ویٹ تھا۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"جی! پیپر ویٹ!" ان کے منہ سے حیرت زدہ لہجے میں نکلا۔

"ہاں! صرف ایک پیپر ویٹ۔" وہ بولے۔

"آخر انہیں ایک پیپر ویٹ لے جانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"ضرورت نہیں، یہ مجرم کی سب سے بڑی بے وقوفی تھی.... اور اب مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ منشیات کے کاروبار کے پیچھے اصل ہاتھ پیٹر کا نہیں کسی اور کا ہے..... اسی نے پیپر ویٹ یہاں سے اڑایا ہے۔"

"حیرت ہے، اس پیپر ویٹ کی ایسی کیا اہمیت ہے، کیا وہ بہت قیمتی تھا۔" آفتاب نے پوچھا۔

"ہاں! بہت قیمتی تھا.... خاص طور پر مجرم کے لیے۔"

"اور کیا آپ یہ بھی جان گئے ہیں کہ اصل مجرم کون ہے۔"

"جان گیا ہوں...." وہ مسکرائے۔

"اگر پیٹر گروہ کا اصلی لیڈر نہیں ہے، تو پھر اس نے یہ بیان کیوں دیا۔"

"سختی سے بچنے کے لیے، کیونکہ اسے اصل لیڈر کا نام معلوم نہیں تھا، نہ وہ کبھی اس کے سامنے آیا تھا، اس لیے وہ پولیس چیف کو کیا بتاتا، لہذا اس نے خود کو مظالم سے بچانے کے لیے کہہ دیا کہ لیڈر وہی ہے۔"

"اوہو، تو یہ بات تھی، اب ذرا جلدی سے بتا دیں، گروہ کا اصل لیڈر کون ہے۔"

"یہ تو میں ابھی نہیں بتاؤں گا، تم بھی تو کچھ عقلی گھوڑے دوڑاؤ۔"

"جی بہت بہتر! ابھی ذرا وہ گھاس چرنے گئے ہوئے ہیں، جونہی واپس آئیں گے، ہم انہیں دوڑانا شروع کر دیں گے۔" آفتاب بولا۔

"بہتر ہوتا کہ تم بھی ان کے ساتھ گھاس چرنے چلے جاتے" انسپکٹر کامران مرزا نے جل کر کہا۔

"اب آپ کا کیا پروگرام ہے۔"

"مجرم کو پکڑیں گے اور کیا پروگرام ہو سکتا ہے، لیکن ابھی نہیں، ہمیں کچھ تیاری کرنا ہو گی، اس کے خلاف ثبوت مہیا کرنا ہو گا..... مجرم بہت چالاک ہے، کہیں وہ میرے جال کے ٹکڑے نہ اڑا دے۔"

"تو کیا آپ اس کے گرد جال بننے کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

"جال تو کبھی کا بچھایا بھی جا چکا ہے۔" وہ مسکرائے۔

"اوہو۔ ہمیں تو کہیں کوئی جال نظر نہیں آیا۔" آفتاب بولا۔

"فکر نہ کرو، اس کیس سے فارغ ہو کر تم دونوں کو آنکھوں کے ڈاکٹر کے پاس لے چلوں گا۔"

"جی۔ وہ کس لیے۔" آصف نے بوکھلا کر کہا۔

"بھئی اسی لیے کہ تمہیں ابھی تک جال دکھائی نہیں دیا۔"

"تو انکل۔ یہ قصور تو ہمارے دماغ کا ہے، نہ کہ آنکھوں کا۔"

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے، خیر تو میں تمہیں کسی دماغ کے

اہر کے پاس لے چلوں گا۔" وہ مسکرائے۔

عین اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ ان کا ایک ماتحت دوسری طرف سے کہہ رہا تھا:

"سر! سب انسپکٹر فضل مل گئے ہیں، وہ شہر سے باہر ایک کھنڈر میں بندھے پڑے پائے گئے ہیں۔"

"اوہ! اب وہ کہاں ہیں؟"

"دفتر میں۔"

"ٹھہرو! میں آ رہا ہوں۔"

تینوں فوراً دفتر پہنچے۔ بھوک اور پیاس نے فضل کو نڈھال کیا تھا۔ اس وقت اس کے سامنے کھانے پینے کی چیزیں موجود تھیں اور وہ برسوں کے بھوکے کی طرح ان پر جھپٹ رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر اس نے اپنے ہاتھ آہستہ کر لیے۔

"کوئی بات نہیں، جیسے جی چاہے کھاؤ۔" انسپکٹر کامران مرزا نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

جیسے تیسے اس نے کھانا ختم کیا اور انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"ہاں بھئی تفصیل سے وہ سب بیان کرتے چلو، جو تم پر بیتی۔"

"آپ کی ہدایت کے مطابق میں پیٹر کی نگرانی کر رہا تھا..... وہ فیکٹری سے نکلا تو میں بھی اس کے پیچھے تھا.... راستے

میں وہ سالار جنگ کے گھر رکا پھر آپ کی طرف روانہ ہوا، اس کے بعد اپنے گھر گیا، میں اس کے گھر کے باہر نگرانی کرتا رہا۔ رات کو وہ باہر نکلا تو اس کے ساتھ کار میں چار آدمی اور تھے، میں نے تعاقب کیا، وہ رسی کی سیڑھی کے ذریعے امجد رؤف صاحب کی چھت پر چڑھ گئے.... میں نے کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد اوپر چڑھنے کا پروگرام بنایا، ایک درخت کے پیچھے دبکا ہوا تھا کہ کسی طرف سے ایک سایہ نکل کر آیا اور چھت پر چڑھ گیا، اب مجھ سے رہا نہ گیا.... میں بھی اوپر پہنچ گیا سایہ منڈیر پر جھک کر نیچے دیکھ رہا تھا، پھر اس نے ہاتھ سے کوئی چیز گرا دی اور واپس مڑا۔ میں دبک گیا۔ وہ نیچے اترا۔ اس کے بعد میں بھی نیچے اترا، لیکن پھر میرے سر پر قیامت ٹوٹ پڑی، کسی نے کوئی بھاری چیز سر پر دے ماری تھی، بس میں بے ہوش ہو گیا۔ آنکھ کھلی تو اس کھنڈر میں تھا۔" فضل نے اپنی کہانی مکمل کر دی۔

"بہت خوب! تب تو مجھے اس کھنڈر کا معائنہ کرنا ہو گا....

انہوں نے ان کانسٹیبلوں کو ساتھ لیا جنہیں فاضل ملا تھا اور کھنڈر پہنچے۔ فنگر پرنٹ کے عملے کے دو آدمی ان کے ساتھ آئے تھے۔ کھنڈر کے ایک ایک چپے کو دیکھا گیا، اس کے باہر کار کے ٹائروں کے نشانات موجود تھے۔ ان کی تصاویر اتار لی گئیں،

گھاس کے اوپر انہیں ایک کارڈ نظر آیا، اس پر چمک دار حروف میں ع۔م۔ج درج تھا، کانسٹیبل شاید اس کارڈ کو نظر انداز کر گئے تھے۔ انہوں نے اس کارڈ پر سے بھی انگلیوں کے نشانات اٹھوائے۔

واپسی پر انسپکٹر کامران مرزا نے جیپ کا رخ شہر کی ایک گندی بستی کی طرف کر دیا۔ نزدیک پہنچنے پر آفتاب اور آصف نے ناک بھوں چڑھانا شروع کی:

"کیا اس طرف کوئی ضروری کام ہے انکل!"

"ہاں! بہت ضروری..... ع۔م۔ج کو تو میں بھول ہی گیا تھا، اس کا کارڈ دیکھا تو یاد آیا ہے۔"

"تو کیا آپ یہاں ع۔م۔ج کو تلاش کریں گے؟"

"یہاں ایک شخص ایسا ہے، جو شاید اس کے بارے میں بتا سکے۔" یہ کہتے ہوئے انہوں نے جیپ سڑک سے اتار لی اور نیچے اتر گئے۔

ایک تنگ اور تاریک سی گلی میں چلتے ہوئے وہ ایک کچے پکے سے گھر کے سامنے رکے۔ انسپکٹر کامران مرزا نے انگلی سے تین بار آہستہ آہستہ دستک دی۔ فوراً ہی دروازہ کھل گیا، پھر ایک چونکی ہوئی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی:

"اوہو! یہ میں آج کسے دیکھ رہا ہوں۔"

انہوں نے دیکھا، اندھیرے صحن میں ایک بوڑھا آدمی کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر ڈاڑھی مونچھیں نہیں تھیں، سر بھی انڈے کے چھلکے کی طرح صاف تھا۔ یہ سب بھی وہ اس لیے دیکھ سکے کہ گلی میں ایک ننھا سا بلب روشن تھا اور اس کی روشنی کسی قدر اندر بھی جا رہی تھی۔

"آپ کی نظر ابھی تک بالکل ٹھیک ہے ماسٹر برونو۔"

"شکریہ مسٹر کامران مرزا، لیکن مجھ غریب سے کیا کام آ پڑا، کیا میری وجہ سے کسی کی ذات کو کوئی نقصان پہنچا ہے؟"

"نہیں! مجھے ایک کام آ پڑا ہے، اس لیے آیا ہوں۔"

"بہت خوب! تو پھر اندر تشریف لے آئیں، ورنہ گلی کے لوگ آپ کو گھورنا شروع کر دیں کہ شریف آدمیوں کو ماسٹر برونو جیسے بدمعاش سے کیا کام آ پڑا۔"

وہ اندر داخل ہوئے۔ بوڑھا انہیں ایک کمرے میں لے آیا۔ یہاں فرش پر دری بچھی ہوئی تھی اور اس پر تین آدمی بیٹھے تھے۔ ان کی آنکھیں بند تھیں۔ شاید انہوں نے کوئی نشہ آور دوا پی رکھی تھی۔

"چلو تم تینوں تھوڑی دیر کے لیے چلتے پھرتے نظر آؤ، پھر آنا۔"

انہوں نے اس طرح آنکھیں کھولیں جیسے سوتے سے جاگے ہوں۔ پھر بھیگی بلی کی طرح وہاں سے نکل گئے۔

"اب فرمایئے! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں... مجھ جیسے غریب نشے کے عادی آدمی کو گرفتار کرنے کی نیت سے تو آپ آئے نہیں ہوں گے۔"

"نہیں ماسٹر میں جانتا ہوں۔ اب تم مرتے دم تک یہ بری عادت چھوڑ نہیں سکو گے، اگر چھوڑ دو گے تو فوراً ہی مر جاؤ گے۔ لیکن تم ان دوسروں کو کیوں اسی عادت میں مبتلا کر رہے ہو۔"

"یہ بات نہیں ہے، یہ لوگ دھوکے سے نشے کے عادی بنا دیے گئے ہیں۔ کسی نے انہیں میرے بارے میں بتایا تو یہ میرے پاس چلے آئے، اب یہ میری مدد سے اس عادت سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"گویا تم نے نیک کام شروع کر رکھا ہے۔"

"جی ہاں! یہی سمجھ لیں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

اچھا ماسٹر! اب میں اس طرف آتا ہوں کہ میں تمہارے پاس کس لیے آیا ہوں.... تمہیں یاد ہوگا، میں نیا نیا محکمہ سراغرسانی میں ملازم ہوا تھا اور تمہارا میرا سامنا ہوا تھا، اس وقت تم پولیس کے مخبر تھے.... اور نشہ آور ادویات کی تجارت کرنے والوں کی کھوج میں رہتے تھے۔ تمہاری مخبریوں کی بنا پر ہم نے کچھ چھاپے مارے تھے اور بہت سے لوگوں کو گرفتار بھی کیا تھا۔ پھر

معاملہ دب گیا تھا..... اس زمانے کی باتیں یاد ہیں۔"

"بہت اچھی طرح، بالکل ایسے جیسے یہ ابھی کل کی بات ہو۔"

"تو پھر میں ع۔م۔ج کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔"

"جی - کیا مطلب؟" بوڑھا ماسٹر برنو زور سے چونکا۔

"تمہارے چونکنے کے انداز سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ تم اس نام کے بارے میں اچھی طرح جانتے ہو۔"

"اس میں کوئی شک نہیں۔"

"تب پھر تم اس بارے میں جو کچھ بھی جانتے ہو، تفصیل سے کہہ سناؤ۔" انسپکٹر کامران مرزا پرجوش لہجے میں بولے۔

"پہلے تو آپ یہ بتا دیں کہ یہ یکایک آپ کو ع۔م۔ج کا خیال کیسے آ گیا۔"

"یہ خیال مجھے نہیں، کسی اور کو آیا ہے، پورے ملک میں ان دنوں پھر نشہ آور دواؤں کا طوفان آیا ہوا ہے، اس طوفان نے ایک ہولناک وبائی صورت اختیار کر لی ہے۔ میرے محکمے کے اور پولیس کے محکمے کے تمام ایماندار آفیسر سخت پریشان ہیں، کیونکہ اس طرح پوری قوم کے غفلت کی گہری نیند سو جانے کا خطرہ ہے... ایسے میں ایک شخص کو دو دھمکی آمیز خط موصول ہوئے ہیں، جن کے نیچے ع۔م۔ج لکھا ہے۔ اس آدمی کا تعلق انجانے میں اس گروہ سے ہو گیا تھا، لیکن جب اسے شک ہوا تو اس نے ہاتھ کھینچ لیا، اب

تم بتاؤ، ع۔م۔ج کے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

"ع۔م۔ج ایک تنظیم کا نام ہے.... یہ ایک ایسا ادارہ ہے جس نے سارے ملک میں نشے کی وبا پھیلانے کا ارادہ اس زمانے میں کیا تھا جس زمانے کا آپ نے ذکر کیا ہے، لیکن پھر دھڑا دھڑ گرفتاریوں نے اس تنظیم کو بالکل دبا دیا، تاہم لیڈر گرفتار نہیں ہو سکا تھا، وہ تو شاید سات پردوں میں چھپا ہوا تھا۔ دراصل اس کا اصول تھا کہ اپنے ہاتھ سے کوئی کام نہ کرو، سب کام دوسروں سے کراؤ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہر طرح محفوظ رہا۔"

"اس کا مطلب ہے، اس نے اب پھر سر اٹھایا ہے؟"

"آپ کے بیان کے مطابق تو یہی ثابت ہوتا ہے۔"

"تو پھر تمہارے خیال میں لیڈر کون ہو سکتا ہے؟"

"اس تنظیم کا لیڈر تو بدلتا رہتا تھا، اگر ایک مرجاتا، یا ریٹائر ہوجاتا تو اس کی جگہ دوسرا لے لیتا تھا، چنانچہ اس وقت خدا جانے کون لیڈر ہو گا، تاہم اتنا ضرور ہے کہ لیڈر جو کوئی بھی ہو گا، خود کو بچانے کے لیے دوسروں کو پھنساتا رہے گا، تاکہ کوئی اس پر شک نہ کر سکے، یہ اس تنظیم کے ہر لیڈر کا اصول ہوتا ہے۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے حیرت زدہ لہجے میں نکلا، کیونکہ واقعات کے مطابق اس کی بات سو فیصد درست تھی۔

"اور کچھ؟" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"اور آپ جو جاننا چاہیں بتا دوں، بشرطیکہ میں خود جانتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"کیا خود کو بچانے کے لیے لیڈر اپنے بہت سے آدمیوں اور بے شمار مال کو بھی داؤ پر لگا سکتا ہے؟"

"جی ہاں! کیوں نہیں۔ آدمیوں اور مال کی اسے پروا نہیں ہوتی۔"

"آخر یہ گروہ ایسا کیوں کرتا ہے، کیا صرف مالی فائدے کے لیے؟"

"مالی فائدے کے ساتھ ساتھ ہمارے ایک دشمن ملک کے اشارے پر بھی ایسا ہو رہا ہے.... دشمن ملک چاہتا ہے کہ ہم اخلاقی اور جسمانی اعتبار سے حد درجے کمزور ہو جائیں، کبھی اس کی کارگزاریوں پر آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ سکیں۔"

"بہت خوب.... اب سوال یہ ہے کہ اگر لیڈر کو گرفتار کر لیا جائے تو کیا پھر بھی یہ تنظیم باقی رہے گی؟"

"اگر لیڈر کو بے خبری میں گرفتار کر لیا جائے اور پھر اس سے کسی کی ملاقات نہ ہونے دی جائے تو یہ معاملہ ختم ہو جائے گا۔"

"بہت خوب! آپ نے بہت کام کی باتیں بتائیں.... میری درخواست ہے کہ ان باتوں کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"آپ فکر نہ کریں۔"

اور وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ماسٹر بڑنو انہیں دروازے تک چھوڑنے آیا... جیپ میں بیٹھتے ہوئے انسپکٹر کامران مرزا بولے:

"لو بھئی! اب تو بہت سی باتیں بالکل صاف ہو گئیں۔"

"صرف ایک بات رہتی ہے انکل! اور وہ یہ کہ موجودہ لیڈر کون ہے؟"

"بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا۔" انہوں نے کہا اور جیپ سٹارٹ کر دی۔

راز کی قیمت

دوسرے دن وہ سکول سے لوٹے ہی تھے کہ فون کی گھنٹی بجی۔ آفتاب نے ریسیور اٹھایا تو امجد رؤف گھبرائی ہوئی آواز میں کہہ رہے تھے:

"بیٹا! تمہارے ابا جان کہاں ہیں؟"

"کیوں انکل خیر تو ہے؟" آفتاب نے پوچھا۔

"مم.... مجھے.... پھر ع۔م۔ج کا خط ملا ہے۔"

"کیا!!!" آفتاب چیخ پڑا۔ اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔ پھر اس نے کہا:

"کیا آپ نے دفتر فون کیا تھا؟"

"کر چکا ہوں، وہ وہاں بھی نہیں ہیں۔"

"جونہی وہ آئے، انہیں اطلاع دے دی جائے گی، فی الحال ہم دونوں آپ کے ہاں پہنچ رہے ہیں۔"

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔" انہوں نے قدرے اطمینان کا سانس لیا۔

دونوں نے جلدی جلدی شہناز بیگم کو حالات سے باخبر کیا اور

امجد رؤف کی کوٹھی کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہلے کی نسبت کہیں زیادہ خوف کی لہر دوڑی ہوئی تھی۔ امجد رؤف کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا، باقی افراد کا بھی دم خشک تھا۔ انہیں دیکھتے ہی امجد رؤف نے کہا:

"اف خدا! اب کیا ہو گا۔"

"ہو گا کیا، آپ فکر نہ کریں، شاید اب ع۔م۔ج کا بُرا وقت آ گیا ہے۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو، لیکن میرا تو سانس سینے میں اٹک رہا ہے، آخر انسپکٹر صاحب کہاں چلے گئے۔"

"وہ بھی پہنچ جائیں گے، فکر نہ کریں، ..... ہم ذرا ادھر ادھر فون کر لیں۔" یہ کہہ کر آفتاب نے سب سے پہلے پولیس چیف اکرم غوری کو فون کیا۔

"ہیلو انکل! نئی خبر سنیے۔ اکرم غوری صاحب کو ع۔م۔ج کی طرف سے ایک اور خط ملا ہے۔"

"کیا!!! اکرم غوری پوری قوت سے چلائے۔

"جی ہاں! ادھر ابا جان غائب ہیں، لہٰذا ہم آپ کو اطلاع دے رہے ہیں، امید ہے، آپ اس طرف فوری توجہ فرمائیں گے۔"

"فکر نہ کرو، میں پہنچ رہا ہوں۔" اس نے کہا۔

اس کے بعد آفتاب نے سب انسپکٹر فضل کو فون کر کے حالات

سے باخبر کیا، اس نے بھی فوراً آنے کے لیے کہا، ان کی طرف سے بے فکر ہونے کے بعد انہوں نے کوٹھی کے تمام دروازے اور کھڑکیاں اندر سے بند کر لیں۔

"اب آپ وہ خط دکھائیے۔" آصف نے کہا۔

امجد رؤف نے جیب سے خط نکال کر ان کے حوالے کر دیا۔ انہوں نے اسے بغور دیکھا۔ اس وقت ان کے پاس پہلے خط نہیں تھے، تاہم انہیں اپنے اندازے کے مطابق اس میں اور پہلے خطوط میں کوئی فرق نظر نہ آیا۔

"کیا یہ خط بھی کوئی لڑکا دستی پکڑا گیا تھا۔"

"جی ہاں!" انہوں نے کہا۔

"بہت خوب! اب آپ اپنے کمرے میں بند ہو کر بیٹھ جائیں.... جب تک ہم نہ کہیں باہر نہ نکلیں۔"

"اچھی بات ہے۔" انہوں نے کہا اور کمرے میں جا کر دروازہ بند کر لیا۔

باقی لوگ ڈرائنگ روم میں بیٹھے رہ گئے۔ تھوڑی دیر بعد دروازے کی گھنٹی بجی، پولیس چیف اکرم غوری صاحب آ گئے تھے۔ ان کے تھوڑی دیر بعد سب انسپکٹر فضل بھی آ گیا اور چار سادہ لباس والوں کو بھی ساتھ لے آیا۔ ان میں سے دو کو کوٹھی کے دروازے پر مقرر کر دیا گیا اور دو کو پچھلی طرف۔

"میرا خیال ہے ہمیں باری باری جاگ کر نگرانی کرنی چاہیے۔" اکرم غوری نے تجویز پیش کی۔

"لیکن جناب! ہم سبھی کیوں نہ جاگتے رہیں۔ ایک رات کی تو بات ہے۔" آفتاب نے کہا۔

"بیٹے تم کس طرح کہہ سکتے ہو کہ ایک رات کی بات ہے، کیا خبر یہ سلسلہ کتنے دن تک جاری رہے۔" اکرم غوری بولے۔

"میرا خیال ہے، اکرم غوری صاحب کی تجویز مناسب رہے گی۔" فضل نے کہا۔

"خیر یونہی سہی۔" آصف نے کندھے اچکائے۔

"سوال یہ ہے کہ انسپکٹر کامران مرزا کہاں غائب ہو گئے۔" اکرم غوری بولے۔

"یہ سوال تو جناب نہ جانے ہمارے ذہنوں میں بھی کب سے کھلبلی مچا رہا ہے۔" آفتاب نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"صبح وہ دفتر گئے تھے، دفتر سے واپس گھر نہیں آئے، کیوں انکل فضل! آپ کو کچھ کہہ کر نہیں گئے۔"

"نہیں! البتہ وقت سے کافی پہلے ہی چلے گئے تھے۔"

اسی وقت گھنٹی بجی۔ آصف نے جا کر دروازہ کھولے بغیر پوچھا:

"کون ہے؟"

"ایک صاحب ہیں، اپنا نام سالار جنگ بتاتے ہیں۔"

"اوہ!" آصف کے منہ سے حیرت زدہ لہجے میں نکلا، پھر اس نے کہا:

"کیا آپ واقعی سالار جنگ ہیں جناب، مجھ سے بات کیجیے، تاکہ میں آپ کی آواز پہچان سکوں۔"

"جی ہاں! میں واقعی سالار جنگ ہوں۔" آواز آئی۔ آصف نے محسوس کیا، آواز واقعی سالار جنگ کی ہے۔

"آپ یہاں کس لیے آئے ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"انسپکٹر صاحب آج صبح میرے گھر آئے تھے۔ انہوں نے شام کے وقت یہاں پہنچنے کی ہدایت کی تھی۔"

"بہت خوب! خیر میں دروازہ کھولے دیتا ہوں۔" آصف نے کہا۔

وہ سالار جنگ کو ساتھ لیے اندر داخل ہوا۔ سب نے سالار جنگ کو دیکھ کر حیرت زدہ انداز میں پلکیں جھپکائیں، کیونکہ کسی کو بھی اس کے یہاں آنے کی امید نہیں تھی۔ نہ یہ بات کسی کی سمجھ میں آئی کہ اس کی یہاں کیا ضرورت تھی۔ انسپکٹر کامران مرزا نے کیوں اسے یہاں پہنچنے کے لیے کہا تھا۔ اچانک ایک بار پھر دروازے کی گھنٹی بجی۔ وہ چونک اٹھے۔ اس بار آفتاب دروازے پر گیا اور بولا:

"باہر کون ہے؟"

"انسپکٹر کامران مرزا آئے ہیں جناب! دروازہ کھول دیجیے۔"

ایک سادہ لباس والے کی آواز سنائی دی۔

آفتاب خوش ہو گیا۔ اس نے فوراً دروازہ کھول دیا، لیکن دوسرا لمحہ چونکا دینے والا تھا۔ اس کے سامنے ایک سیاہ پوش کھڑا تھا۔ اس کی وضع قطع بالکل ایسی تھی جیسی اُس رات پیٹر کی تھی۔

"مسٹر پیٹر! تم .... تم حوالات سے رہا کس طرح ہو گئے؟"

"میں پیٹر نہیں، اس کا باس ہوں، اس گروہ کا اصلی سردار ..... میرا ہی نام ع۔م۔ج ہے۔"

"اوہ! ارے باپ رے۔" آفتاب نے بوکھلا کر کہا، پھر چونک کر بولا:

"مم .... مگر .... باہر موجود نگران نے ....." اس کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے۔ سادہ لباس والے اسے بے ہوش پڑے نظر آئے۔ نقاب پوش ہنس کر بولا:

"وہ جملہ ان میں سے کسی نے نہیں، میں نے ادا کیا تھا..... اب اندر چلو۔"

آفتاب کو خود پر سخت غصہ آیا کہ اس نے سوچے سمجھے بغیر دروازہ کیوں کھول دیا، اسے پہلے اپنے ابا جان کی آواز سننی چاہیے تھی جیسا کہ اس سے پہلے آصف نے سالار جنگ کی آواز سن کر دروازہ کھولا تھا، لیکن اب پچھتانے یا غصہ کھانے سے کیا ہوتا

تھا۔ اب تو منشیات کی تجارت کرنے والے گروہ کا سردار ان کے سامنے کھڑا تھا، وہی جس کی تلاش میں انسپکٹر کامران مرزا تھے۔ نقاب پوش کے اشارے پر وہ اش کے آگے آگے چلنے لگا۔ اس کے ہاتھ میں اگر سیاہ رنگ کا بڑا سا پستول نہ ہوتا تو وہ ضرور اس سے جھپٹ پڑنے کی کوشش کرتا۔ تاہم اس حالت میں بھی وہ موقعے کا انتظار کرتا رہا، یہاں تک کہ دونوں ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئے۔ کمرے میں موجود سبھی افراد بوکھلا گئے۔ سب سے زیادہ حیرت اکرم غوری کے چہرے پر نظر آئی اور خوف امجد رؤف کے گھر والوں کے چہروں پر۔

"آپ لوگ مجھے دیکھ کر گھبرا تو گئے ہیں، لیکن میں آپ میں سے کسی کو بھی کوئی نقصان پہنچانے کا ارادہ نہیں رکھتا، بس صرف امجد رؤف سے حساب کتاب ضرور صاف کرنا ہے۔"

"نہیں نہیں!!" عامرہ خوف زدہ انداز میں چلائی۔

"خاموش رہو لڑکی، پہلے مجھے اپنی بات مکمل کر لینے دو۔" نقاب پوش نے غرا کر کہا۔

ان سب کو یہ غراہٹ سن کر جیسے سانپ سونگھ گیا۔ غراہٹ حد درجے خوفناک تھی۔

"میرا نام ع۔م۔ج ہے اور میرا کیا، یہ میری پوری تنظیم کا نام ہے .... نشہ آور دواؤں کی تجارت ہمارا کام ہے اور یہ تنظیم

برسوں سے چلی آ رہی ہے .... ایک لیڈر کے مرنے کے بعد دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے، لیکن اس کا نام ع۔م۔ج ہی رہتا ہے۔ تنظیم کے ہر معاملے میں اس نام کو استعمال کیا جاتا ہے .... اس تنظیم کا ایک اصول یہ ہے کہ اگر کوئی غداری پر اتر آئے یا تنظیم سے الگ ہونے کی کوشش کرے تو اسے ختم کر دیا جاتا ہے۔ اس وقت تک نہ جانے کتنے ایسے غدار میرے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر چکے ہیں، اور اب امجد رؤف کی باری ہے۔"

"لیکن امجد رؤف تمہاری تنظیم سے کب تعلق رکھتے ہیں، وہ تو نادانستہ طور پر تمہارے لیے کام کرتے رہے ہیں۔"

"یہی سہی، لیکن اگر وہ ہمارا کام کرتے رہتے تو کیا حرج تھا۔ اس کی وجہ سے ہمارے کام میں بہت خلل پڑا، اس لیے انہیں چھوڑنا گروہ میں بدنظمی پیدا کرنے کے برابر ہوگا۔ میں نے یہ کام کرنے کے لیے پیٹر کو بھیجا، لیکن وہ پھنس گیا۔"

"وہ خود کہاں پھنس گیا، تم نے ہی اس کے سر پر اینٹ مار کر پھنسایا ہے۔" آصف بول پڑا۔

"چلو یونہی سہی .... دراصل میں اس سے تنگ آ گیا تھا، وہ غلطی پر غلطی کرنے لگا تھا، لہٰذا میں نے یہی بہتر سمجھا کہ اسے گرفتار کرا دیا جائے۔" نقاب پوش نے کہا۔

"اور سالار جنگ نے کیا قصور کیا تھا، تم نے اسے کیوں

گرفتار کرایا؟" آصف نے پوچھا۔

"سالار جنگ ہماری تنظیم سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، اسے گرفتار کرانا پیٹر کا کام ہے، شاید پیٹر کو اس سے کوئی دشمنی ہوگی، یا اس نے پاؤڈر کے ڈبوں میں گڑبڑ کا اندازہ لگا لیا ہوگا۔" اس نے کہا پھر اکرم غوری کی طرف مڑا۔

"اور جناب چیف آفیسر صاحب .... آپ اس کیس کے انچارج ہیں، آپ پیٹر کو گرفتار کر کے یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ تم نے اصل لیڈر کو گرفتار کر لیا ہے۔"

"فکر نہ کرو، آج میں تمہیں بھی گرفتار کروں گا۔" اکرم غوری نے جھلا کر کہا۔

"وہ دن تمہاری زندگی میں کبھی نہیں آئے گا۔ تم مجھے گرفتار کرنے کا خواب ہی دیکھتے رہ جاؤ گے۔" ..... یہ کہہ کر سیاہ پوش اکرم غوری کے نزدیک چلا گیا، اس نے اس کے سر کے بالوں کو پکڑ کر ایک جھٹکا دیا، ایسے میں پستول والا ہاتھ اکرم غوری کے دائیں ہاتھ کے بالکل نزدیک آ گیا، اچانک اکرم غوری کا ہاتھ حرکت میں آیا، دوسرے ہی لمحے پستول اس کے ہاتھ میں تھا۔ سیاہ پوش بوکھلا کر پیچھے ہٹا:

"بس! اب ہاتھ اوپر اٹھا دو، تمہارا کھیل ختم ہو گیا... جھوٹے کے ایمان، میں تمہیں بتاؤں گا تنظیم کا اصل لیڈر کون ہے، تم

جیسے تنظیم کے لیڈر کیسے ہو سکتے ہو۔" اس کی آواز میں بلا کی گرج تھی۔

"تو کیا آپ جانتے ہیں، تنظیم کا لیڈر کون ہے۔"

"ہاں! میں جانتا ہوں۔" اس نے بایاں ہاتھ سینے پر مار کر کہا۔

"تب پھر مہربانی فرما کر ہمیں بھی بتا دیں۔" آفتاب بولا۔

"بتا دیتا ہوں، لیکن اس راز کی قیمت دس انسانی زندگیاں ہیں۔"

"ارے باپ رے، یہ تو بہت مہنگا راز ہوا، ہم آپ کو دس انسانی زندگیاں کہاں سے لا کر دے سکتے ہیں۔" آفتاب نے دھک دھک کرتے دل کے ساتھ کہا، کیونکہ وہ کچھ کچھ اس کا مطلب جان گیا تھا۔

"کہیں سے لانے کی کیا ضرورت ہے، دس کے دس افراد یہاں موجود ہی ہیں۔" اکرم غوری نے خوش ہو کر کہا

"جی کیا مطلب .... آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"بہت بھولے ہو، جیسے کچھ سمجھتے ہی نہیں، خیر سنو، تمہارے ابا جان کا نام نشان تک نہیں، ایسے میں میں تمہیں یہ خبر سناتا ہوں کہ تنظیم کا اصل لیڈر دراصل میں ہوں، میرا ہی نام ع۔م۔ج ہے .... اور اب میں امجد رؤف سے بھی انتقام لوں گا، لیکن چونکہ تم سب لوگ بھی اس راز سے واقف ہو چکے ہو، اس لیے تمہیں بھی زندہ نہیں چھوڑا جا سکتا۔"

"اکرم غوری صاحب! یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔" اختر رؤف

نے بوکھلا کر کہا۔

"میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں۔" اس نے کہا۔

"اگر آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں تو پھر یہ صاحب جو خود کو ع۔م۔ج کہہ رہے تھے، یہ کون ہیں۔"

"یہ..... یہ ضرور تنظیم کا کوئی باغی ہے، اس نے جب یہ سنا ہوگا کہ پیٹر گرفتار ہو گیا ہے اور وہی لیڈر تھا تو اس نے لیڈر بننے کا اچھا موقع دیکھا.... ابھی جب میں اس کے چہرے سے نقاب اٹھاؤں گا تو فوراً پتا چل جائے گا کہ یہ کون ہے اور تنظیم میں اس کا کیا عہدہ ہے۔"

یہ کہہ کر اکرم غوری سیاہ پوش کی طرف بڑھنے لگا:

"لیکن جناب ع۔م۔ج صاحب ..... سوال تو یہ ہے اس پستول میں تو زیادہ سے زیادہ چھ یا سات گولیاں ہوں گی جبکہ ہم دس عدد ہیں، باقی تین افراد کا کیا کریں گے۔"

"فکر نہ کرو، میرے پاس ایک اور پستول بھی ہے۔"

"لیکن وہ پستول تو پولیس چیف کا پستول ہے اور جب لاشوں میں سے پولیس چیف کے پستول کی گولی نکلے گی تو اس وقت پولیس چیف کیا جواب دیں گے۔" آصف نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اس وقت میرے پاس جو پستول ہے، وہ پولیس چیف کا نہیں ہے، ع۔م۔ج کا ہے۔" وہ ہنسا۔

"بہت خوب! گویا آپ پہلے سے تیار ہو کر آئے تھے۔"

"ہاں! جب مجھے معلوم ہوا کہ امجد رؤف کو ع۔م۔ج کی طرف سے پھر کوئی خط ملا ہے، تو میرا ہوشیار ہو جانا ضروری تھا، کیونکہ ع۔م۔ج تو میں تھا۔ پیٹر میرے حکم کے بعد ع۔م۔ج کی طرف سے خط لکھا کرتا تھا اور وہ حوالات میں تھا۔"

"بہت خوب! تو کیا پیٹر کو یہ بات معلوم ہے کہ لیڈر کون ہے؟"

"نہیں! اگر معلوم ہوتا تو وہ انسپکٹر کامران مرزا کو یہ بیان ضرور دیتا۔"

یہ کہتے ہوئے وہ سیاہ پوش کی طرف بڑھا اور پھر اس کا نقاب نوچ ڈالا۔ دوسرے ہی لمحے ان کے منہ مارے حیرت کے کھلے کے کھلے رہ گئے۔ ان کے سامنے انسپکٹر کامران مرزا کھڑے تھے۔

اندھیرا ہی اندھیرا

چند لمحے سکتے کے عالم میں گزر گئے، کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ سیاہ پوش کے روپ میں انسپکٹر کامران مرزا کو دیکھنے کی امید انہیں ہرگز بھی نہیں تھی۔ آخر آفتاب جلا اُٹھا:

"ابا جان! یہ واقعی آپ ہیں یا ہم خواب دیکھ رہے ہیں؟"

"میں اس وقت گوشت پوست کے انسان کی حیثیت سے تمہارے سامنے کھڑا ہوں۔"

"تب تو خدا کا شکر ہے، ورنہ اگر یہ خواب ہوتا تو خواب ختم ہونے کے بعد ہمیں بہت دھکا لگتا۔" آصف چہک کر بولا۔

"لیکن یہ سب کیا ہے، پہلے آپ نے خود کو گروہ کا لیڈر بنایا، پھر اکرم غوری صاحب نے.... اور اس سے پہلے پیٹر اپنے آپ کو گروہ کا لیڈر بتا چکا ہے، آخر یہ سب کیا ہے؟"

"اکرم غوری ہی گروہ کے اصل لیڈر ہیں، سابقہ لیڈر کے مرنے کے بعد انہوں نے لیڈری اختیار کی۔ اتفاق سے یہ اس وقت تک پولیس چیف بھی بن چکے تھے۔ پولیس چیف کی حیثیت سے انہیں منشیات

کے گروہ کے لیڈر کو گرفتار کرنا تھا جب کہ یہ خود ہی لیڈر تھے ، ظاہر ہے کہ یہ خود کو تو گرفتار نہیں کر سکتے تھے۔ ادھر ملک میں نشے کی وبا بہت تیزی سے پھیل رہی تھی ، افسرانِ بالا ان کا ناک میں دم کر رہے تھے کہ یہ گروہ آخر گرفتار کیوں نہیں ہوتا ، گرفتار ہوتا بھی کیسے ، پولیس چیف اپنے کارکنوں کو کس طرح جیل کی سلاخوں کے پیچھے بھیج دیتے ۔ آخر انہوں نے ایک ترکیب سوچی ، اپنے نائب پیٹر کو اس ترکیب میں شامل کیا ، ترکیب یہ تھی کہ چند غیر متعلق لوگوں کے گھروں میں چھاپے مارنے کی مہم شروع کی جائے اور اس دوران ان میں سے چند گھروں میں ہیروئن خود ہی رکھ دی جائے .... اس طرح کچھ گرفتاریاں ہوں گی اور افسرانِ اعلیٰ کا دباؤ ذرا کم ہو جائے گا ، اس سلسلے کا سب سے پہلا شکار سالار جنگ چنا گیا ، لیکن اتفاق کی بات یہ کہ قسمت اسے میرے پاس لے آئی اور اس طرح میں اس معاملے میں داخل ہوا۔ ادھر پولیس چیف نے جب یہ دیکھا کہ میں اس معاملے میں شامل ہو گیا ہوں تو یہ گھبرائے ، پروگرام کے مطابق امجد رؤف کو سزا دینے کا وقت مقرر کر لیا گیا تھا ، پولیس چیف کو سب کچھ معلوم تھا ، لہٰذا یہ وقت مقررہ پر یہاں پہنچ گئے اور رسّی کی سیڑھی کے ذریعے چھت پر پہنچ گئے ..... اور پھر انہوں نے اینٹ پیٹر کے سر پر دے ماری ، مطلب یہ تھا کہ پیٹر گرفتار ہو جائے اور گروہ کا لیڈر ثابت ہو جائے ، اس طرح یہ فتنہ بالکل دب

جائے گا اور میری توجہ اس معاملے سے ہٹ جائے گی .... کچھ عرصہ تک یہ بھی اپنی سرگرمیاں بند کر دے گا اور اس طرح اس پر کسی کو شک نہیں ہو گا ، لیکن بھاری مصیبت یہ پیش آئی کہ یہ اینٹ پر اپنی انگلیوں کے نشانات چھوڑ گئے .... ادھر میرا ایک اصول ہے کہ کیس سے متعلق تمام آدمیوں کو شک کی نظر سے دیکھو ، چنانچہ میں نے انہیں بھی شک کی نظر سے دیکھا ، جہاں سب کی انگلیوں کے نشانات لیے ، وہاں انہیں بھی نہ چھوڑا اور ان کے کمرے میں چائے پینے کے بہانے بیٹھ گیا ، حالانکہ میں صرف صبح کے وقت چائے پینے کا عادی ہوں ، یا پھر شام کو ، ان دو اوقات کے علاوہ چائے بالکل نہیں پیتا۔ میں نے نظر بچا کر پولیس چیف صاحب کا پیپر ویٹ اٹھا لیا ، کیونکہ چند سیکنڈ پہلے انہوں نے اسے گھمایا تھا۔ پیپر ویٹ میں نے اپنے کمرے کی الماری میں رکھ دیا۔ خیال تھا کہ دوسرے دن اس پر سے انگلیوں کے نشانات اٹھوا لوں گا ، لیکن صبح دفتر جاتے ہوئے بھول گیا .... ادھر پولیس چیف نے اپنے دو ماتحت بھیج کر گھر کی تلاشی لی اور پیپر ویٹ حاصل کر لیا ، یاد رہے کہ انہوں نے اس قسم کے کاموں کے لیے چند کانسٹیبل اپنے ساتھ ملا رکھے تھے ، انہوں نے ہی یہ کام کیا ، پیپر ویٹ کا چوری ہونا تھا کہ میں سمجھ گیا ، مجرم کون ہے .... ادھر مجرم نے یہ جان لیا تھا کہ میں اس کی شخصیت سے باخبر ہو چکا ہوں ،

لہذا یہ دل میں ڈرے .... انہوں نے مجھے ختم کرنے کا پروگرام بنا لیا، ادھر میں نے ایک فرضی خط ع۔م۔ج کے نام سے امجد رؤف کو لکھ بھیجا اور خود دفتر سے غائب ہو گیا۔ میں جانتا تھا کہ سب لوگ خود بخود یہاں جمع ہو جائیں گے، رہ گئے سالار جنگ تو انہیں میں خود ہی صبح سویرے کہہ چکا تھا، چنانچہ یہ بھی یہاں پہنچ گئے .... اگرچہ ان کی کوئی ضرورت نہیں تھی، نہ ان کا اس گروہ سے کوئی تعلق تھا، لیکن میں نے سسپنس پیدا کرنے کے لیے انہیں بھی بلا لیا۔ اس کے بعد یہاں جو کچھ ہوا، آپ کو معلوم ہی ہے۔ دراصل جب پولیس چیف کو ع۔م۔ج کی طرف سے امجد رؤف کو ایک اور خط ملنے کی اطلاع ملی تو یہ میری چال سمجھ گئے۔ ادھر انہوں نے بظاہر اس چال میں آ کر مجھے ختم کرنے کا پروگرام بنایا، کیونکہ اب میرا زندہ رہنا ان کے لیے موت کا پیغام تھا، چنانچہ یہ یہاں دوڑے آئے .... انہوں نے سوچا تھا کہ موقع پا کر سب کو ختم کر دوں گا۔" یہاں تک کہہ کر انسپکٹر کامران مرزا خاموش ہو گئے۔

"اور میں اپنے ارادے میں کامیاب ہو گیا، اس وقت تمہارا پستول میرے ہاتھ میں ہے اور تم سب میرے نشانے کی زد پر ہو۔" اکرم غوری نے غرا کر کہا۔

"اس کے باوجود تم ہار گئے ہو، اکرم غوری صاحب ...." انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"شاید تمہارا دماغ چل گیا ہے .... پستول میرے ہاتھ میں ہے اور تم کہہ رہے ہو، میں ہار گیا ہوں۔"

"ہاں! کیونکہ اس وقت تمہارے ہاتھ میں جو پستول ہے، وہ میرا ہے اور میرا پستول میرے حکم کے بغیر کسی دوسرے کے ہاتھ سے نہیں چل سکتا۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"ابا جان! یہ کیا بات ہوئی، کیا آپ کا پستول جادو کا ہے۔" آفتاب سے رہا نہ گیا، بول ہی پڑا۔

"نہیں بھئی، سائنس کے دور میں جادو کا سہارا لینے کی کیا ضرورت ہے۔"

"پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ پولیس چیف آپ کے پستول کا ٹریگر دبائیں اور یہ نہ چلے۔" آفتاب نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"اپنے پولیس چیف سے کہو، وہ ٹریگر دبائیں۔"

"معاف کیجیے گا ابا جان! یہ میرے پولیس چیف تو کسی طرح بھی نہیں ہیں۔" آفتاب نے گھبرا کر کہا۔

"ٹریگر میں ضرور دباؤں گا، انسپکٹر! میں تمہاری ان چال بازیوں میں آنے والا نہیں۔" یہ کہتے ہی اس نے ان کے سینے کا نشانہ لیا اور فائر کر دیا، لیکن ٹریگر کی ایک آواز کے سوا کچھ بھی نہ ہوا۔ اکرم غوری کا رنگ اڑ گیا، پھر اس نے سنبھل کر کہا:

"اوہو! تو تم خالی پستول لے کر اندر آئے تھے۔"

"ہاں! اور اسی لیے میں جان بوجھ کر تمہارے نزدیک ہو گیا
تاکہ تم پستول مجھ سے چھین لو، یہ مواقع میں نے خود ہی تمہیں
تھا، ورنہ تمہارے فرشتے بھی پستول مجھ سے نہ جھپٹ سکتے
وہ کہتے چلے گئے۔

"اوہ تو یہ بات تھی، خیر کوئی بات نہیں، تمہارا پستول خالی
نکلا تو کیا ہوا، میں اپنا پستول تو خالی لے کر نہیں چلا تھا"
کہتے ہی اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال دیا۔ آفتاب اور آصف
بوکھلا اٹھے، باقی لوگ بھی گھبرا گئے، لیکن انسپکٹر کامران مرزا
سکون میں کوئی فرق نہ آیا۔ وہ مسکرا رہے تھے۔ دوسرے ہی
انہوں نے اکرم غوری کو گڑبڑاتے دیکھا۔ اس کا رنگ یک
اڑ گیا تھا۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں تھیں۔ اس کی جیب
پستول نہیں نکلا تھا۔

اکرم غوری پر یہ لمحے سکتے کے عالم میں گزرے، پھر کمرے
میں انسپکٹر کامران مرزا کی آواز گونجی:

"جس وقت تم نے پستول جھپٹا تھا، عین اسی وقت میں
نے تمہارا پستول نکال لیا تھا۔ اور اب وہ میری جیب میں ہے
لہذا تم اسے اپنی جیب میں تلاش کرنے کی ناکام کوشش

کرو.... اور اب بہتر یہی ہے کہ خود کو قانون کے حوالے کر دو،
کیوں کہ میری جیب میں موجود ایک طاقت ور ٹیپ ریکارڈر نے،
اس کمرے میں ہونے والی تمام گفتگو ریکارڈ کر لی ہے۔" یہ کہہ
کر وہ آصف کی طرف مڑے:

"آصف! دروازے پر سے سادہ لباس والوں کو بلا لاؤ۔"

"لیکن ابا جان! وہ تو بے ہوش پڑے ہیں۔" آفتاب کے منہ
سے سوچے سمجھے بغیر نکل گیا، لیکن پھر فوراً ہی اسے اپنی غلطی کا
احساس ہو گیا۔ اگر سیاہ پوش خود اس کے ابا جان تھے، تب انہوں
نے قانون کے محافظوں کو بے ہوش نہیں کیا ہوگا، اس کا
مطلب ہے، وہ مصنوعی طور پر بے ہوش پڑے تھے، تاکہ دروازہ
کھولنے والا اسے ڈراما خیال نہ کرے:

"اوہ میں سمجھ گیا، وہ آپ کے اشارے پر مصنوعی بیہوش
پڑے تھے۔"

"ہاں! شکر ہے، جلد سمجھ گئے۔" وہ مسکرائے اور آصف
دروازے کی طرف چلا گیا.... لیکن جونہی وہ اکرم غوری کے پاس
سے گزرا، اس کے پاؤں زمین سے اکھڑ گئے، وہ کئی فٹ اونچا
اچھلا اور فرش کی طرف آیا، اس کے ساتھ ہی اکرم غوری نے
انسپکٹر کامران مرزا پر چھلانگ لگائی۔ انسپکٹر کامران مرزا اس
وقت آصف کو نیچے گرنے سے بچانے کے لیے اس کی طرف

بڑھ چکے تھے، اس لیے اس کے وار کو روک نہ سکے۔ اکرم غوری پوری قوت کے ساتھ ان سے ٹکرایا اور انہیں ایک زبردست دھکا لگا، اس کے قدم اکھڑ گئے اور وہ دیوار سے جا ٹکرائے، جھلا کر مڑے تو اکرم غوری پھر ان کے بالکل سامنے تھا۔ اس کی آنکھیں شعلے اگل رہی تھیں۔ اچانک اس نے اچھل کر انسپکٹر کامران مرزا کے گلے پر دونوں ہاتھ جما دیے، انہوں نے ایک زوردار جھٹکا مارا اور وہ دور تک لڑھکتا چلا گیا۔ آصف نے موقع مناسب جانا اور اس کی ایک ٹانگ پکڑتے ہوئے بولا:

"آؤ آفتاب! دوسری ٹانگ تم پکڑ لو۔"

"نیک مشورہ ہے۔" آفتاب نے کہا اور اس کی دوسری ٹانگ پکڑ لی۔ اکرم غوری نے ہاتھوں کے بل اٹھنے اور ان کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کی، لیکن یہ ممکن نہ ہوا، آخر جھلا کر اس نے دونوں ٹانگوں کو ایک زبردست جھٹکا دیا، لیکن آفتاب اور آصف بھی شاید جونک کی طرح چمٹ گئے تھے۔

"مشکل ہے غوری صاحب.... اب آپ بھاگ نہیں سکیں گے، ہم نے ان دو پیروں کو بھی قابو کر لیا ہے، جن کی مدد سے آپ بھاگ سکتے تھے، لہٰذا بھاگنے کا خیال دل سے نکال دیں اور خود کو قانون کے حوالے کر دیں، میرے خیال میں آپ کے لیے یہی بہتر رہے گا۔"

اکرم غوری نے خوب ہی ہاتھ چلانے اور پاؤں چھڑانے کی کوشش کی، لیکن اس کا ستارہ گردش میں آ چکا تھا، اس کی ہر کوشش بیکار گئی، دوسرے لوگ اس زور آزمائی کو حیرت اور خوف کی ملی جلی حالت میں دیکھ رہے تھے۔ آخر اکرم غوری کے کس بل ڈھیلے ہو گئے۔ انسپکٹر کامران مرزا کے آواز دینے پر سادہ لباس والے اندر آ گئے اور انہوں نے اسے قابو کر لیا۔

"اب اس کے گروہ کے کارکنوں کا معاملہ رہ گیا ہے، تو اس سلسلے میں ہمارے پاس بے شمار راستے ہیں، ایک تو یہ کہ اکرم غوری کو اسی کمرۂ امتحان لے جایا جائے، جہاں یہ دوسروں کی ہمت اور برداشت کا امتحان لیتے رہے ہیں، دوسرے یہ ہے کہ یہ انتہائی شرافت کا ثبوت دیتے ہوئے خود ہی نام بتا دیں۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ ضرور بتا دیں گے، کیونکہ کمرۂ امتحان میں دوسروں پر ظلم توڑنے والا خود ان مظالم کا ایک پاسنگ بھی برداشت نہیں کر سکتا۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے اور پھر اکرم غوری کو سادہ لباس والوں کے حوالے کر دیا گیا۔

"لیجیے جناب! یہ قصہ تو ختم ہو گیا۔" آفتاب نے پرسکون آواز میں کہا۔

"ابھی کہاں ختم ہو گیا، اب تو اس پورے ملک میں پھیلے

اس گروہ کے لوگوں کی گرفتاری کا سلسلہ شروع ہو گا۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"وہ دوسری بات ہے ابا جان! ہمارا کام تو ختم ہو ہی گیا نا.... لیکن سچ بات یہ ہے کہ میں خواب میں بھی یہ نہ سوچ سکا کہ مجرم یہ بھی ہو سکتے ہیں۔"

"تم کسے مجرم خیال کرتے رہے؟" انسپکٹر کامران مرزا نے پوچھا۔

"امجد رؤف صاحب کو۔" آفتاب نے بلا کھٹکے کہا۔

"شروع میں میں بھی انہی پر زیادہ شک کرتا رہا ہوں، لیکن پھر جب پیٹر کے سر پہ اینٹ لگی تو میرا خیال بدل گیا، کیونکہ گھر کے دوسرے آدمی تو اپنے کمرے سے نکل کر چھت پر جا سکتے تھے.... یہ نہیں جا سکتے تھے۔"

"خدا کا شکر ہے کہ نہیں جا سکتے تھے.... مجھے تو حیرت اس پر ہے کہ ہمارے ملک میں کیا کیا اندھیر مچا ہوا ہے، آخر یہ اندھیر کب ختم ہو گا، کیا اس وقت جب ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا پھیل جائے گا، لیکن اس وقت اس اندھیر کے ختم ہونے کا کیا فائدہ ہو گا۔" آصف کہتا چلا گیا۔

"یار تم تو اندھیر کے پیچھے پڑ گئے، کیوں پورے ملک میں بلیک آؤٹ کے خواب دیکھ رہے ہو.... ارے باپ رے.... بلیک آؤٹ کے خواب.... لیکن بلیک آؤٹ میں خواب بھی تو نظر

نہیں آتے ہوں گے۔ آپ کا کیا خیال ہے ابا جان!"

"خوابوں کا کوئی ماہر ہی اس بات کا جواب دے سکتا ہے۔"

انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"گویا اب ہمیں کسی خوابوں کے ماہر کو تلاش کرنا ہو گا، تلاش میں نکل تو کھڑے ہوں، ایسا نہ ہو کہ اس ماہر کی تلاش ہمیں کسی اور کیس میں پھنسا دے، نا بابا، میں تو باز آیا ایسی تلاش سے۔"

آفتاب نے کانوں کو ہاتھ لگانے کے لیے ایک دم جو کہنی اوپر اٹھائی تو یہ کہنی آصف کی ٹھوڑی پر لگی اور وہ بھنا کر اس کی طرف جھپٹ پڑا۔

انسپکٹر کامران مرزا جب تک ارے ارے کرتے ان تک پہنچتے، دونوں آپس میں گتھم گتھا ہو چکے تھے۔

آئندہ ناول کی ایک جھلک

آفتاب / آصف — انسپکٹر کامران مرزا سیریز ۶

جاسوس آنکھیں

مصنف: اشتیاق احمد

- آصف کے والد سے ملیے۔
- افریقہ میں وہ ایک عجیب مصیبت میں گرفتار ہو گئے تھے۔
- اس مصیبت سے نکلنے کے لیے انہیں انسپکٹر کامران مرزا کو بلانا پڑا۔
- انسپکٹر کامران مرزا آفتاب اور آصف کے ساتھ افریقہ کے سفر پر روانہ ہو گئے۔
- وہاں انہیں کن حالات کا سامنا کرنا پڑا، ایک انتہائی حیرت انگیز ناول۔

قیمت: ۵/۵۰

ہولناک وبا کا انعامی سوال

س: ہیڈ کوارٹر سے باہر آتے پر آفتاب کس بات پر حیرت ظاہر کرنا چاہتا تھا۔

صحیح جواب دے کر انعام بھی حاصل کریں اور نام اور پتے بھی شائع کرائیں۔ جوابات ہر ماہ کی پانچ تاریخ تک موصول ہو جانے چاہییں۔ انعام صرف تین درست جوابات والوں کو دیا جاتا ہے جو کہ پانچ پانچ ناولوں کے پیکٹوں کی صورت میں ہوتا ہے۔

خبردار!

چھوٹے چھوٹے پرزے استعمال نہ کریں، ہر کاغذ پر اپنا نام اور پتا لکھیں۔ ایک ہی لفافے میں تمام سوال بھیج سکتے ہیں۔

(ادارہ)

مشہور مصنف **اشتیاق احمد**
کے سنسنی خیز، ہنگامہ آرا، مزاح
اور جاسوسی سے بھرپور

اس ماہ کے چار ناول

۳۳۔ لفافے کا راز	(انسپکٹر جمشید سیریز)	۵/۵۰
۳۴۔ گھناؤنا کیمپ	"	۵/۵۰
۵۔ ہولناک وبا	(انسپکٹر کامران مرزا)	۵/۵۰
۴۔ سوتیلا دوست	(بڑوں کے لیے)	۵/۰۰

مکتبہ اشتیاق

راجپوت مارکیٹ اردو بازار۔ لاہور